

آل رسولؐ سے بعض کپیوں؟

مناظر اسلام محقق و حید فاریح کویت
حضرت سید محمد جواد مہری

جمعیت طلبہ جعفریہ، پاکستان

سید علی حسینی
چھوٹا بولچھا آہن پانچ نمبر ۱۸۶۱





آلِ رُسُولِ ﷺ بعض کیوں؟



خیر آباد لطیف آباد، پونٹ نمبر ۵۲۸



مناظر اسلام محقق و جید فلاح کویت
حضرت سید محمد جواد مہتری



جمعیۃ طلبہ جعفریہ، پاکستان

کتاب: آل رسولؐ سے بغض کیوں؟

موضوع: اساتذہ اور شاگرد کے درمیان مناظرہ

کمپوزر: ملک عقیل عباس

تعداد: 3000

قیمت: 145 روپے

جمیعت طلبہ جعفریہ، پاکستان

فہرست

7	ہم نے مناظرہ کیوں کیا؟	○
16	کافر کون؟	○
19	کیا حضرت ابوطالب علیہ السلام کافر تھے؟	○
23	ایمان ابوطالب علیہ السلام پر مناظرہ شروع ہوتا ہے	○
39	مودت آل رسول ﷺ کا ثبوت	○
40	آیت ولایت کی تفسیر	○
41	کتاب التذوق	○
47	زکوٰۃ سے مراد کیا ہے؟	○
51	دشمن اہل بیت علیہم السلام کی جیت انگیز شکست	○
55	خداوند تعالیٰ کے متعلق شیعیان حیدرآباد کا عقیدہ	○
57	خداوند تعالیٰ کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ	○
62	پیغمبر کے بارے میں شیعیان حیدرآباد کا عقیدہ	○
65	پیغمبر کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ	○
69	علی علیہ السلام کی ولایت پر نص پیغمبر ﷺ موجود ہے	○
85	حضرت علی نے اپنے حق کا دفاع کیوں نہ کیا؟	○
88	اصحاب رسول سے سفید سازش کی کھل کر مخالفت کی	○
98	لولا علیٰ لہنت عمر	○
104	لولا علیٰ لہنتک عثمان	○

- 106 پتا بہ خدا، کہ جس جگہ پر میں تو ہوں اور تم نہ ہو ❁
- 108 لولا علیٰ لہلك عمر ❁
- 109 شخص فتنہ دوست رکھتا ہے اور حق سے متنفر ہے ❁
- 111 اپنی نادانیوں کو سنت سے دور کرو ❁
- 116 تو پھر علیؑ جائیداد جانشین رسولؐ کے لئے ہے؟ ❁
- 128 سقیفہ میں کیا ہوا؟ ❁
- 149 حدیث ثقلین کی تحقیق ❁
- 163 اہل بیت کون ہیں؟ ❁
- 182 اہل سنت بحث کرنے سے گھبرائے ❁
- 187 پھر وہ راہ فرار کر گئے ❁
- 188 کیا شیعوں کے دوسرے آئمہ اہل بیت میں شامل نہیں؟ ❁
- 190 اوصیاء رسولؐ کون؟ ❁
- 195 صحیحین میں خلفاء پیغمبرؐ کی تعداد ❁
- 198 معاویہ مظہر تباہی و فساد ❁
- 201 علیؑ، صدیق اور فاروق امت ❁
- 205 آئمہ معصومین کا ذکر قرآن کریم میں ❁
- 206 لفظ شہر کا معنی کیا ہے؟ ❁
- 210 چہار شہر کی حرمت ❁
- 211 امام کی زبان سے آیت کی تفسیر ❁
- 220 تہیہ بحث ❁

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہم نے مناظرہ کیوں کیا؟

ایک روز سڑک کنارے دو راندیش دوستوں میں سے ایک دوست نے کہا کہ تو کس قدر دلائی ہو گیا ہے؟ اگر تو قلم اٹھاتا ہے تو مسئلہ ”ولایت و خلافت“ پر اور اگر ترجمہ کرنے بیٹھتا ہے تو بھی مسئلہ ولایت و خلافت پر اکیا تو نے جامعہ اسلامی کے مبہم مسائل پر کامیابی و کامرانی حاصل کر لی؟ کیا تیرے لئے ضروری نہیں ہے کہ معاشرے کے روزمرہ مسائل پر بحث کرے، اور تو اس قدر مطالب و مفایم لکھے کہ جس سے لوگوں کے مسائل کا حل روشن و عیاں ہو جائے۔

اس نے مجھ سے فوق العادہ بڑی حساس گفتگو کی۔ اس کی گفتگو نے مجھے بہت متاثر کیا، اپنے مطلب کی کئی مرتبہ تکرار کر کے مجھ پر واضح کیا اور مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا اور میرے ترجمہ و تالیف کی روشنی پر کڑی تنقید کی۔

آپ نے درست کہا ہے تو پھر ہمارا معاشرہ کیونکر ولی عصر قائم آل محمد علیہ السلام عمل اللہ فرجہ، الشریف کے ساتھ منسوب ہے؟ اور ہمارے ملک کا یہ امتیاز ہے کہ ہم پیر و کار خاندان اہل بیت عصمت و طہارت علیہم السلام ہیں۔ کیا ایک انقلابی اور روشن فکر انسان سے اس قسم کی گفتگو کی توقع کی جاسکتی ہے؟

وہ اور اس کے ہم فکر دوست یہ کیوں نہ سمجھ سکے کہ ولایت سے زیادہ اہم کوئی چیز نہیں ہے؟ اگر کسی کا نظریہ ولایت صحیح ہو گا تو پھر اس کے دوسرے مسائل بھی درست ہو سکیں گے۔ خدا نخواستہ اگر اس کی ولایت میں رنگ آمیزی ہو گئی یا اپنی خواہشات کا اسیر ہو گیا اور مرکز ولایت سے دور ہو گیا تو پھر کسی قسم کی عبادت و ریاضت قبول نہ ہوگی۔ ہمارے مذہب کی بنیاد ”مکتب اہل بیت“ پر استوار ہے اور اس وجود حق کی تردید نہیں کی جاسکتی۔ پس کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی رکن کے بارے میں اس طرح بحث کرے یا تنقید کرے، یا اپنی کج فکری کا اظہار کرے اور کسی کو ”ولایتی“ ہونے کا طعنہ دے؟ اور ولایتی انسان کا مذاق اڑائے؟

کیا انقلاب اسلامی کی بنیاد ولایت پر استوار نہیں ہے؟ کیا ولایت حکومت اسلامی کی اساس نہیں ہے؟ کیا حکومت اسلامی کے بانی و رہبر حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ سب سے بڑے منادی ولایت نہ تھے؟ کیا امام خمینی رضی اللہ عنہ نے اپنے الٰہی وصیت نامہ (جاوید نامہ) میں آغاز حدیث ثقلین سے نہیں کیا؟ کیا امام خمینی رضی اللہ عنہ نے ولایت کی راہ ہموار کرنے کے لئے تاکید نہیں کی تھی؟

ولایت و امامت کے بارے میں لوگوں کے اذہان کس قدر کج ہو چکے ہیں؟ کیا ولایت سے بڑھ کر بھی کوئی چیز ہے؟ کیا ہم پر حدیث متواترہ نہیں پہنچیں، کہ اسلام پانچ ستونوں پر استوار ہے ”نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اور ولایت“ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا نُودِيَ بِشَيْءٍ مِّثْلَ مَا نُودِيَ بِالْوَلَايَةِ

”ولایت کی مانند کسی چیز کو بھی اہمیت نہیں دی گئی۔“

دوسری روایت میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے کہ زرارہ حضرت امام محمد

سَلْ سَلْمًا مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ؟

باقر علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ مولا! اسلام کے ان ستونوں میں سے افضل کون سا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: الولاية افضل لانها مفتاحهن والوالی هو الدلیل علیهن۔
 ”ہماری ولایت ان سب سے افضل ہے، کیونکہ یہ ان کے لئے کلید ہے اور ولی (جو کہ امام ہے) ان سب احکام پر دلیل اور رہنمائی ہے۔“

ولایت آئمہ اطہار علیہم السلام کبغیر انسان کا کوئی بھی عمل قبول نہیں ہوگا۔ محبت الدین طبری اپنی کتاب ”ریاض النظرہ“ کی دوسری جلد کے ص ۷۲ پر رسول خدا ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

اذا جمع الله الاقوام والآخرين يوم القیامة
 ونصب الصراط علی حسر حہنہ لم یجزعھا
 أحد الا من کانت معہ نراءة لولاية علی بن ابی
 طالب۔

”جب پروردگار عالم قیامت کے روز پہلے اور آخری تمام لوگوں کو میدانِ محشر میں اکٹھا کرے گا اور جہنم کے پل صراط سے گزارا جائے گا تو اس پل کو وہ عبور کرے گا جس کے ہاتھ میں علی علیہ السلام کے دستخط والا پاسپورٹ ہوگا۔“

اہل سنت کے مشہور علماء، جیسے ذخائر العقبیٰ کے صفحہ ۶۸ پر، منافق خوارزمی کے صفحہ ۹۷ پر ابن حجر نے اپنی کتاب صواعق کے صفحہ ۱۰۷ پر حضرت عمر سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے پاس دو اعرابی آئے اور انہوں نے کہا کہ اے عمر! ہمارے درمیان فیصلہ کر، حضرت عمر نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف رخ کیا اور کہنے لگے، کہ اے علی علیہ السلام! ان کے درمیان فیصلہ کیجئے۔

ان میں سے ایک نے حضرت عمر پر اعتراض کیا اور کہا کہ آپ ہمارا فیصلہ کریں؟
حضرت عمر نے غصہ سے چلاتے ہوئے اس کا گریبان پکڑا اور اسے کہا:

ويحك ما تدرى من عداة عداي و عداي
كل مؤمن ومن لم يكن مؤداه فليس مؤمن -

”افسوس ہے تجھ پر کہ تو نہیں جانتا یہ شخص کون ہے؟ یہ میرا اور ہر مومن کا
مولا ہے اور جس کا علیؑ مولانا ہوگا پس وہ بندہ مومن نہ ہوگا۔“

حافظ واحدی ”حدیث غدیر“ کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:

وہ ولایت جو پیغمبر اکرم ﷺ نے علیؑ کے لئے لازم قرار دی ہے یہ وہی
ولایت تو ہے جس کے متعلق قیامت کے روز سوال ہوگا، اور اسی مورد کے متعلق خداوند
تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

وقفوهم انهم مسئولون -

”انہیں روکو یعنی ان سے ابھی علیؑ کی ولایت کے متعلق سوال
ہونا باقی ہے۔“

اور وہ سول یہ پوچھا جائے گا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے جس ”حق ولایت“ کے
متعلق تمہیں حکم دیا تھا کیا تم نے اس پر بھی عمل کیا ہے؟ یا رسول خدا ﷺ کے حکم کی
پروا نہیں کی، اور ولایت و امامت سے تم محروم رہے ہو، اس حدیث کا اہل سنت کے مایہ
ناز علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ حموی نے اپنی کتاب ”فوائد السمتین“
کے باب چہارم، ابن حجر نے ”صواعق محرقة“ کے صفحہ ۸۰ پر اور حضری نے ”الرفقہ“
کے صفحہ ۲۴ پر ذکر کیا ہے، اسی طرح آلوسی نے جو بہت بڑے مفسر قرآن سمجھے جاتے ہیں
اپنی تفسیر قرآن کی جلد ۲۳ اور ص ۷۲ پر آیت وقفوہم انہم مسئولون کے ذیل

میں چند اقوال پیش کیے ہیں اور وہ لکھتے ہیں:

واوئی هذا الاقوال ان السؤال عن العقائد والا

عمال ورائس ذلك لا اله الا الله ومن اجله ولا

يه على كرم الله وجهه۔

ان اقوال میں سے مناسب ترین قول یہ ہے کہ انسان کے عقائد اور اعمال کے متعلق سوال ہوگا، اور ان سب سے اس سوال لا اله الا الله اور اہم ترین سوال حضرت علیؑ کی ولایت کے بارے میں ہوگا۔

جی ہاں! یہی ولایت تو دین حنیف ہے کہ جو فطرت اور جبلت انسانی میں پائی جاتی ہے۔

فاقم وجهك للدين حنيفا فطرة الله التي فطر الناس عليها۔

”پس اس دین حنیف کے سامنے جھک جاؤ، اور اس کو معتدل قرار دو، کیونکہ یہ فطرت الہی ہے، اور پروردگار نے لوگوں کو اس فطرت پر خلق کیا ہے، اور خلق خدا میں تغیر و تبدل ناپذیر ہے“

اور یہ ولایت وہی طریقہ تو ہے جس کے متعلق فرمان ہے کہ:

وان لو استقا موا علی لطريقة لا سقينا هم ماء غدقا۔

”اگر ان کو اس روش و طریقہ سے استوار کیا ہے پس ہم نے ان کو فراواں

پانی سے سیراب کیا ہے۔“

ولایت وہی ”حسن“ تو ہے جس کے متعلق فرمان الہی ہے:

من جاء بالحسنة فله خير منها۔

”جو بھی بندہ خدا اپنے پروردگار کی ماقات ”حسن“ سے کرتا ہے تو پروردگار

اس کے لئے بہتر حسد و نیکی چاہتا ہے۔“

یہ ولایت وہی ”نباء“ عظیم تو ہے کہ جس کے متعلق اختلاف کریں گے۔

عم یتساءلون، عن النساء العظیم الذی ہم فیہ مختلفون
”کس سے وہ سوال کرتے ہیں کہ وہ خبر عظیم کے متعلق اختلاف کرتے
ہیں۔“

یہ ولایت وہی ”تواصی بالحق“ تو ہے۔

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا لَدَبْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ وَتَوَّصُوا بِالْحَقِّ وَتَوَّصُوا بِالصَّبْرِ -
”قسم ہے زمانہ کی ہر انسان گھائے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو
ایمان لائے اور عمل صالح کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو حق اور صبر کی
تلقین کرتے ہیں۔“

اور ولایت وہی ”خیرات“ تو ہے۔

ولكل وجهة هو موليها فاستقوا الخيرات -

”اور ولایت وہی ”نعیم“ تو ہے کہ جس بزرگ ترین نعمت کے متعلق ہم
سے سوال ہوگا کہ اس سے تم نے کیا سلوک کیا؟“

ثُمَّ لَتَسْأَلَنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ -

”وہاں پر اس روز یقیناً تم سے اس نعمت بزرگ کے متعلق سوال ہوگا۔“

اور سرانجام ولایت وہی ”نور“ تو ہے جو مومن کی درخشندہ خصوصیت و علامت ہے۔

او من كان ميتا فاحييناه و جعلنا له نورا يمشى به في الناس

كمن مثله في الظلمات ليس بخارج منها -

”کیا وہ شخص جو مردہ تھا، اس کے بعد ہم نے اسے زندہ کیا اور ہم نے اس کو نور قرار دیا کہ وہ اس نور سے لوگوں کے ساتھ چلتا ہے۔ اس کی مانند کوئی ہے جو تاریکی اور ظلمتوں میں پیوستہ ہے اور اسے ہرگز خارج نہیں ہوتا۔“

ولایت جو کہ ”فطرة اللہ“ ہے، پس چاہیے کہ جو لوگ اس فطرت الہی سے مردہ ہیں، ان کو زندہ و جاوید کر دیا جائے، اور ان کی آنکھوں پر غفلت کے پڑے ہوئے دیزر پردوں کو دور کر دیا جائے، ان کو صراط مستقیم دکھایا جائے، تاکہ یہ لوگ اس نور سے دین حنیف کو پاسکیں اور وہ اس طریقے پر چل کر اس خیرات کو پاسکیں، کیونکہ یہ ایک ایسی تنہا نعمت ہے کہ جس کے پارے میں باز پرس ہوگی اور کوئی بھی عمل ولایت کے بغیر قابل قبول نہ ہوگا۔

اسی ولایت کے صدقہ میں دین کامل ہوا اور نعمت تمام ہوئی۔

اليوم اكملت لكم دينكم تممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دنيا۔

نہ یہ فقط شیعیاں حیدر کرار علیہ السلام کا عقیدہ ہے، بلکہ تمام مورخین و مفسرین بزرگ اہل سنت نے اس حقیقت کا اقرار کیا ہے، اور انہوں نے ولایت علی علیہ السلام کی تفسیر کی ہے۔ قارئین کرام! آپ سے ہماری گزارش ہے کہ آپ بغیر کسی تعصب و عناد کے منصفانہ ذہن کے ساتھ اس کا عین اور دقیق نظروں سے مطالعہ کیجئے، تاکہ آپ اس چھپی ہوئی حقیقت تک پہنچ سکیں اور آپ پر حق و حقیقت واضح و عیاں ہو جائے، اور آپ خود اس نتیجہ تک باسانی پہنچ جائیں کہ ولایت کے بغیر کوئی عمل بھی قبول نہ ہوگا۔

اگر پروردگار عالم نے بعض موقعوں پر عبادات و احکام میں چھٹی دے رکھی ہے

جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کہ اگر تم نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے، تو بیٹھ کر پڑھو۔ سفر میں روزہ نہ رکھ سکو تو حضر میں رکھو وغیرہ وغیرہ، لیکن ولایت میں کسی حالت میں بھی رخصت نہیں دی گئی، بلکہ انسان کو ہمیشہ ولایت کے سایہ میں چلنا چاہئے اور ایک مومن انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ ولایت کے پر تو میں اپنے اعمال کو انجام دے، تاکہ اس کے اعمال قبول ہو جائیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالیہ میں کامیاب و سرخرو ہو سکے۔

یہ کتاب جو کہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس کو سپر پٹر طاس کرنے کا ہدف فقط یہی ہے کہ ولایت کا اس طرح مفہوم و معنی بیان کیا جائے جس طرح خدا اور رسول ﷺ بچھڑے چاہتے ہیں، اور ہم نے برادران اللہ سنت کی کتابوں سے استدلال کیا ہے۔ پچیس سال پہلے کی بات ہے کہ بندہ (یعنی مولف) کویت کے ہائی سکول میں طالب علم کی حیثیت سے درس حاصل کرتا رہا اور دوران تعلیم اپنے اساتذہ سے گفتگو اور طولانی بحث کا نتیجہ یہاں تک پہنچ گیا۔ قارئین! آپ کے لئے کتابھی اچھا ہو کہ ہم نے جو قرآن و سنت کے شیریں گلشن سے نتیجہ اخذ کیا ہے، اس کی پہچان کر سکیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ولایت آل نبی کے ساتھ ہوستہ ہو جائیں، تاکہ آپ سورد رضایت پروردگار قرار پائیں، اور روز قیامت خندہ پیشانی کے ساتھ میدان حشر میں داخل ہوں۔

آپ کی ایک اہم نکتہ کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہوں گا کہ جو میرے اور میرے اساتذہ کے درمیان مباحثہ ہوا، اس کو بعض جگہوں پر حذف کر دیا گیا۔ حذف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض مطالب میں تکرار پائی جاتی تھی یا اس گفتگو کا مفہوم اس لائق نہ تھا کہ اسے سپر پٹر طاس کیا جائے، اس وجہ سے اس کو حذف کیا گیا اس لئے ہم

آپ سے عنود و درگزر کے طلب گار ہیں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ کتاب میں کچھ مطالب زیادہ لائے گئے ہیں کہ استاد کے ساتھ بحث کے دوران جو محاورے پیش کیے گئے تھے ان کو بدل دیا گیا۔ البتہ، مضامین، اسناد اور روایات کو وقت کے ساتھ رشتہ قلم میں سپردِ قراٹاس کیا گیا ہے، اور ہر قسم کی غلطی اور اشتباہ ہی بچنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن پھر بھی انسان بشری غلطیوں سے پر ہے۔ اگر کسی جگہ قارئین کوئی غلطی یا اشتباہ دیکھیں تو امید ہے کہ وہ اس کی طرف متوجہ کریں گے اور ہمیں معاف کریں گے۔

والسلام

یوم ۱۲ ماہری

کافر کون؟

ربیع قرن پہلے کی بات ہے، کہ میں کویت کے ہائی سکول ثانویۃ الدعیۃ کا طالب علم تھا۔ میں اس وقت دوسرے سال میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اس سے پہلے میں نے پرائمری اور مڈل سکول کی تعلیم قومی مدرسہ میں حاصل کی تھی۔ یہ ایک شیعہ مدرسہ تھا، اور اس شیعہ مدرسہ کی تاسیس کے لئے شیعیان حیدر کرار علیہ السلام نے مالی مدد کی تھی، لہذا یہ مدرسہ شیعیان کویت کی مدد سے تاسیس ہوا تھا، اس مدرسہ کو ایک متدین، صالح اور محبت آل محمد علیہ السلام سید محمد حسن موسوی علیہ السلام چلا رہے تھے اور اس مدرسہ کی باگ ڈور اس دین دار شخص کے ہاتھ میں تھی، چونکہ اس مدرسہ میں تمام طلباء شیعہ تھے اور اکثر اساتذہ بھی شیعہ ہی تھے، اور کسی بھی سنی معلم کی امور دینی میں دخالت نہ تھی، اس وجہ سے کہ ہمارا کسی بھی اہل سنت برادر سے علمی مباحثہ یا گفتگو نہ ہوئی۔ اب میں نے ہائی سکول میں داخلہ لے لیا تھا لیکن اس سکول کے ماحول میں خاصا فرق تھا، بلکہ ہائی سکول اور ابتدائی مدرسوں کے ماحول میں زمین و آسمان کا فرق تھا! یہاں پر اکثر استاد اور طلباء اہل سنت سے تعلق رکھتے تھے، لہذا ہمارے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ ان سے ربط و رابطہ رکھا جائے اور ان سے گفتگو و مباحثہ کیا جائے۔

جب کہ میرے والد مرحوم آیت اللہ حاج سید عباس مہری کا وظیفہ لوگوں کو ہدایت و رہنمائی کرنا تھا، مرحوم نے اپنے وظیفہ اور ہدف کو احسن طریقہ سے سرانجام دیا اور سب سے پہلے آپ نے اپنے فرزندوں اور رشتہ داروں کو حق و حقیقت کی تبلیغ کی،

اور ہم سب لوگ آپ سے وابستہ تھے، اور آپ کی علمی و روحانی شخصیت سے استفادہ کرتے تھے۔ ہم نے عقیدتاً مسائل کا مطالعہ کرنا اپنے لئے لازم قرار دے رکھا تھا، تاکہ ہم استدلال و برہان کے اسلحہ سے مسلح ہو سکیں، اور آپ ہمیں عمومی و خصوصی مجالس میں تعلیم کے زیور سے آراستہ کرتے اور ہمارے سامنے مطالب پیش کرتے۔

میں اس بات کو کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا، کہ میری زندگی کے بارہ سال نہ گزرے تھے کہ مرحوم کی رہنمائی و معرفی کرنے پر میں نے زمانہ کی عظیم و برجستہ کتاب ”القدر“ کا تھوڑے وقت میں مطالعہ کر لیا تھا۔ یہ حقیقت کس سے پوشیدہ ہے کہ ”القدر“ ولایت و امامت کے لئے دائرۃ المعارف ہے، اور اس کے مطالب و مفاد ہم میرے ذہن میں نقش ہو گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی مجھے سکول میں ان برادران سے پالا پڑا تو اس وقت بندہ عقیدتی مسائل سے آگاہ تھا، اور ہر قسم کی بحث و مباحثہ کے لئے کامل مسلح تھا، اور کسی قسم کی بحث و تجحیث سے دریغ نہ کرتا تھا۔

میں ہائی سکول میں نویں کلاس میں تھا کہ میری ایک مذہبی استاد سے بحث و گفتگو ہو گئی، چونکہ میں بھی اس راہ پر تازہ وارد ہوا تھا، اور فریق مخالف بھی ایک بوڑھا اور بے حوصلہ انسان تھا۔ ہماری بحث و گفتگو پر اگندہ ہو گئی۔ ہم کسی نتیجہ خیز موڑ پر نہ پہنچ سکے۔ البتہ اس بحث کا ایک یہ فائدہ ہوا کہ وہ مجھے جان چکے تھے اس لئے وہ کلاس میں مذہبی گفتگو کرنے سے احتراز کرتے تھے، اور انکی خواہش ہوتی تھی کہ کلاس میں اختلافی مسائل سے اجتناب کیا جائے۔ میں نے اس دوران چند موقعوں پر انہیں استدلال سے مظلوم بھی کر لیا تھا۔

مثلاً ایک روز ان کے شاگردوں میں سے ایک نے پوچھا کہ جب تم وضو کرتے ہو تو ہاتھ سے کہنیوں کی طرف پانی کیوں ڈالتے ہو، جب کہ مذہب اسلام میں سے

ایک فرقہ ”شیعہ“ ہے جو کہنیوں پر پانی ڈالتے ہیں۔ یعنی اوپر سے نیچے کی طرف پانی ڈالتے ہیں، اس کا فلسفہ کیا ہے؟

استاد اس سوال پر الجھ گئے، اور پھر کہنے لگے کہ عام طور پر بازوؤں پر بال ہوتے ہیں اگر کہنیوں سے نیچے کی طرف پانی ڈالا جائے تو ممکن ہے پانی بالوں کے نیچے تک نہ پہنچے، البتہ اگر ہتھیلی کے جوڑ پر پانی ڈالا جائے تو پانی یقیناً بالوں کے نیچے تک پہنچ جائے گا، اور یہ احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔

میں فوری طور پر اپنی جگہ پر کھڑا ہوا، اور کہا آقا! میں اجازت چاہتا ہوں۔ جب آپ غسل کریں تو اس وقت سر کو زمین کی طرف اور ٹانگوں کو اوپر کی طرف کیا کرو، تاکہ پانی پوری طرح بالوں کی جلد تک پہنچ سکے۔ تاکہ جو آپ نے فلسفہ وضو بیان کیا ہے اس کے مطابق ضروری ہے کہ پانی بالوں کے نیچے تک پہنچ جائے؟

میرے اس ایراد پر کلاس کے بچوں نے ایک پر زور تہقہ لگایا، اور بچوں کے ہنسنے کی صدا بلند ہوئی۔ استاد کے تیور بدل گئے، فوراً میری طرف رخ کر کے کہا کہ ”بے ہودہ بحث مت کرو۔ ابھی تم بچے ہو، اور تم ان احکام فقہی کی طرف اپنی نظر و فکر مت بیان کیا کرو؟“

میرے اس سخن نے میری نشاندہی کی، لیکن بچے ہرگز ہرگز قانع نہ ہوئے۔

بہر کیف ہائی سکول کا پہلا سال (نہم کلاس) تمام ہو، اور اب ہم نے دسویں کلاس میں قدم رکھا۔ میرا سن کچھ زیادہ ہو چکا تھا، اور موسم گرما کی تعطیلات سے استفادہ کرتے ہوئے میں نے مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا اور میں نے اپنے اندر بحث و مباحثہ کی صلاحیت پیدا کر لی، اور میں ہر وقت مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ رہتا، لیکن اب جو ہمارے استاد تھے وہ نوجوان اور نسبتاً خوش اخلاق تھے۔

کیا حضرت ابوطالب علیہ السلام کافر تھے؟

جلسہ دینی کا پہلا روز تھا کہ نوجوان مصری استاد عمر الشریف کلاس میں داخل ہوئے اور اس نے اسلام میں ہدایت کے موضوع پر گفتگو کی، اور انہوں نے آیت ”انک لاتہدی من احببت“ (سورہ قصص: ۵۶) کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ:

یہ آیت رسول خدا ﷺ کے چچا نکہبان رسالت حضرت ابوطالب علیہ السلام کے متعلق نازل ہوئی۔ جب پیغمبر اکرم ﷺ اپنے چچا جناب سرکار ابوطالب علیہ السلام کی حیراداری کے لئے تشریف لائے اس وقت حضرت ابوطالب علیہ السلام کی زندگی کے آخری ایام تھے۔ آپ نے اپنے چچا سے خواہش کی کہ آپ دونوں شہادتوں کو زبان پر جاری کریں، لیکن حضرت ابوطالب علیہ السلام نے آپ کی بات نہ مانی اور آخر اس دنیا سے کافر اٹھے! رسول خدا ﷺ کو پریشانی لاحق ہوئی کہ میرے چچا جو کہ میرے مربی اور محبوب ہیں اس دنیا سے کافر اٹھیں گے، فوراً آپ پر خداوند تعالیٰ نے وحی نازل کی۔

کہ ”اے میرے نبی آپ جس اپنے دوست کو ہدایت کرنا چاہتے ہو وہ ہدایت نہیں پائیں گے۔“

ہدایت پروردگار عالم کی طرف سے ایک عطیہ و انعام ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے، جسے نہیں چاہتا اسے نہیں کرتا؟ آپ بھی تلاش و جستجو کرو کہ آپ نے اپنے چچا کو ہدایت کی استاد کی اس گفتگو پر میرا خون جوش مارنے لگا، میں نے اپنے احساسات و جذبات پر قابو پانے کی پوری کوشش کی، لیکن پھر بھی میں غصہ کی حالت میں بغیر

اجازت طلب کیے ہوئے کھڑا ہوا، اور گویا ہوا۔

”استاد! آپ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو اس لئے کافر کہہ رہے ہیں، کیونکہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے والد تھے، اور آپ نے کس طرح اس آیت مجیدہ کی تفسیر بالرائے کی ہے؟ اور کس طرح تاویل کی ہے؟ کیا یہی انصاف ہے کہ جس شخص نے اپنی زندگی راہ اسلام میں صرف کر دی ہو، جس نے ساری زندگی رسالت کی حفاظت میں خرچ کر دی ہو، جس نے اسلام اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی نگہبانی میں عمر گزاری ہو، کیا اس نگہبان رسالت اور محافظ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خدمات کا یہی صلہ دینا چاہیے؟ کہ اس پر طرح طرح کی تہمتیں لگائی جائیں؟ ایک مومن کامل واکمل اور واقعی موحد پر کافر ہونے کی تہمت لگائی جائے؟ جس وقت مکہ کے سارے کافر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اور تمام کفار قریش پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ و مہابہ کر رہے تھے، کبھی وہ آپ کو قتل کرنے کی دھمکیاں دے رہے تھے اور کبھی آپ کا اقتصادی بایکاٹ کر رہے تھے، اور جب انہوں نے آپ کا اقتصادی محاصرہ کیا تو اس وقت حضرت ابوطالب علیہ السلام کے علاوہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا دفاع کس نے کیا تھا؟

استاد نے بڑی ڈھٹائی سے مجھے جواب دیتے ہوئے کہا:

پہلی بات تو یہ ہے کہ تمہارے لئے درست نہیں ہے کہ مجھے تمہتی کہو، کیونکہ میں علی علیہ السلام کو ایک عظیم ترین اور بررگزیدہ ترین انسان قبول کرتا ہوں اور آپ کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بہر حال جانتا ہوں۔ مجھے علی علیہ السلام سے کسی طرح کی بھی دشمنی و عداوت نہیں ہے، چونکہ وہ حضرت ابوطالب علیہ السلام حضرت علی علیہ السلام کے والد بزرگوار ہیں، لہذا مجھے ان سے عداوت ہے اور اس لئے میں انہیں کافر مانتا ہوں۔ وہ ایک محبت کرنے والے انسان تھے اور انہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کافی محبت تھی اور ان کو نگہبان رسالت اور

﴿زل زلزلوں نے بغض کیوں؟﴾

مرہبی رسول ﷺ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے، اس کے باوجود پیغمبر اکرم ﷺ کے دین کے پیرو نہ تھے۔ انہوں نے آپ کی ہر موڑ پر حمایت اور مدد کی، اس میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں پایا جاتا۔ میں نے کہا۔

اگر آپ کی بات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس میں بہت بڑا اشکال لازم آتا ہے، پیغمبر اکرم ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ آپ ایک کافر پر تکیہ کریں اور ان کی حمایت اسلام کے لئے حاصل کریں اور ان سے باہمی رابطہ رکھیں اور اس کی گود میں پروان چڑھیں۔ اس کے گھر سے غذا کھائیں؟ کیا آپ نے قرآن مجید میں نہیں پڑھا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہو رہا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ
أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ

اسورہ مائدہ، آیت ۵۱

”اے مومنین! تم یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں سے جو انہیں دوست بنائے گا تو وہ یقیناً انہیں میں سے ہو جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کی راہنمائی نہیں کرتا۔“

استاد نے کہا کہ یہ تو یہود و انصار کے بارے میں ہے، میں نے کہا اتفاق کی بات ہے کہ یہودی اور نصاریٰ اہل کتاب تھے۔ اگر خداوند تعالیٰ ہمیں اہل کتاب کے ساتھ تعلقات اور دوستی رکھنے کی اجازت نہ دیتا تو پھر قطعی طور پر مشرکین قریش کے ساتھ روابط و تعلقات اور دوستی کی اجازت نہ دیتا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ان مشرکین و کفار سے خاندانی مراسم رکھنے سے منع کر رہا ہے اور حکم ہو رہا ہے کہ اپنے کافر آباء و اجداد اور رشتہ داروں سے مت رابطہ رکھیں، اور ان پر مت تکیہ کریں واضح طور پر حکم الہی ہو رہا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا اٰنَاءَ كُفْرٍ وَّ اٰخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاءَ اِنِ اسْتَحَبُّوْا الْكُفْرَ عَلٰى الْاِيْمَانِ وَّمَنْ يَتَّوَلَّهُمْ فَاُوْلٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ -

اسورہ توبہ، آیہ ۲۳

”اے وہ لوگوں! جو ایمان لائے ہو، تم اپنے باپ دادوں اور بھائیوں کو سرپرست نہ بناؤ۔ اگر وہ ایمان کے بدلے کفر کو پسند کریں، اور تم میں سے جو کوئی بھی ان سے محبت رکھے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔“

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں تقریباً تیس کے لگ بھگ ایسی آیات نازل کی ہیں، جن میں صرف یہی حکم ہے کہ مسلمانوں کو کھلی طور پر کفار سے کسی قسم کی دوستی و محبت کی پینگیں نہیں بڑھانی چاہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جو پیغمبر ﷺ خود آیات خدا کا مبلغ ہو وہ روشن ترین حکم الہی سے منہ موڑے اور خداوند تعالیٰ کے احکام کی واضح مخالفت کرے کیا یہ آپ کا دل تسلیم کرتا ہے؟



ایمان ابوطالب علیہ السلام پر مناظرہ شروع ہوتا ہے

استاد میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کے دین و اسلام پر کافی دلائل و براہین رکھتا ہوں، لیکن ان سب کو میں اس وقت بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

شاگرد:

میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے مومن کامل ہونے کی لیے یہی کافی ہے آپ نے نبوت و رسالت کی حفاظت کے لئے قربانیاں دیں، اور آپ نے ہر ہر قدم پر پیغمبر خدا ﷺ کی نبوت و رسالت کی حمایت کی، اس سے شہازی ہوتی ہے کہ آپ مومن تھے اور آپ اپنے رشتہ داروں میں مومن کے نام سے مشہور تھے، لیکن آپ نے اس وقت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایمان کا علی الاعلان اظہار نہ کیا تھا۔

استاد صاحب کے طوطے اڑ چکے تھے، اور ان پر عجب کیفیت طاری ہو چکی تھی کہ شاید اس نے پہلے ان آیات قرآنی کو نہ سنا تھا۔

استاد:

اگر تم ان موضوعات پر بحث کرنا چاہتے ہو، تو کلاس میں اچھا نہیں لگتا۔ کلاس فقط آپ کی نہیں ہے کہ آپ تنہا ہی تیس لڑکوں کا وقت لے لیں، اور دوسرے طلباء کا وقت ضائع کریں اگر آپ کو زیادہ ہی شوق ہے تو آؤ میرے ساتھ تفریح روم میں (ویسے بھی تفریح کا پیریڈ ہے وہاں پر بحث کرتے ہیں۔

شاگرد:

میں نے کہا جناب ایسا نہیں ہو سکتا! آپ یا تو ہمارے درمیان اختلافی مسائل کو نہ چھیڑتے اب اگر آپ نے اختلافی مسائل کو چھیڑا ہے تو اس کا جواب سن کر جائیے۔ آج اگر ہم نے مومن و موجد اور سردار بطحاء حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ایمان کامل کا دفاع نہ کیا تو میرے دوسرے ساتھیوں Class Fellows کا بھی عقیدہ آپ کی طرح ہو جائے گا اور مجھے روز قیامت خداوند تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر جھکانا پڑے گا۔

میں آپ سے ہر جگہ، ہر موقع پر بحث و تحیث کرنے کے لئے آمادہ ہوں، لیکن اگر آج میرے ساتھی مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے سامنے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی شان میں دو شعر پڑھنا چاہتا ہوں تاکہ اس نگہبان رسالت کی شان میں ان کا عقیدہ متزلزل نہ ہونے پائے۔

طلباء نے صدائیں بلند کیں اور مجھ سے درخواست کرنے لگے کہ آپ ضرور پڑیے گا اور انہوں نے استاد سے کہا:

استاد! حق اس کے ساتھ ہے اس کو بولنے دیجئے، تاکہ یہ اپنے عقیدہ کا دفاع کر سکے۔ استاد نے مجبوراً تسلیم خم کر دیا اور خاموشی کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا لہذا وہ میری بحث اور استدلال کا انتظار کرنے لگا

اسی دوران میرا کامل ذہن حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی عظمت اور کمال کی طرف راغب ہو چکا تھا۔ میری نگاہ تاریخ کے ایک ایک صفحہ پر تھی۔ میں نے سردار بطحاء اور اس کے خدا سے مدد طلب۔ کی یہ ہمارا پہلا رسمی اور عمومی جلسہ تھا جس میں سامعین کی کافی تعداد تھی۔ یعنی پوری کلاس ہماری گواہ تھی۔ میں نے سردار مکہ اور حسن اسلام کی

عظمت کا حق ادا کرنے کے لئے خدا سے خصوصی دعا طلب کی کہ پروردگار! مجھے اس محسن رسالت ﷺ کا دفاع کرنے کی توفیق عطا فرما۔ میں نے کہا استاد! اور میرے ساتھیو! حضرت ابوطالب علیہ السلام کو پیغمبر اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ تھا۔ آپ نے پیغمبر اکرم ﷺ کی مدح میں کافی قصائد لکھے ہیں، آپ نے نبوت و رسالت کی گواہی دی ہے۔ جب پیغمبر اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت ابوطالب علیہ السلام نے قریش کو خبر دی کہ اس تحریر کو دیکھنے سے چاٹ لیا ہے، اور اس معاہدہ پر فقط خداوند تعالیٰ کا نام باقی بچا ہے، اور اس سلسلہ میں میرے بھتیجے محمد ﷺ نے مجھے خبر دی ہے کہ اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو اس تحریر کو کعبہ سے باہر لے آؤ، اگر اس کی خبر سچی ہوئی پھر پر اس کی حمایت کرنا اور اس کے گرویدہ ہو جانا۔ اپنے آپ کو بیدار کرنا اگر اس کی خبر جھوٹی نکلی تو میں اس کو تمہارے سپرد کر دوں گا۔ جو چاہو اس سے تم سلوک کرنا۔ کہنے لگے ہم راضی ہیں۔ ہم اس تحریری معاہدہ کو لے کر اتے ہیں دیکھتے ہیں کہ محمد ﷺ کی خبر سچی ہے اس معجزہ کے بعد جن لوگوں کے دل مردہ تھے، اور خداوند تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پردہ ڈال رکھا تھا ان کے لئے حق دیکھنے اور حق سننے کی صلاحیت نہ تھی۔ انہوں نے اس معجزہ بزرگ کا اس طرح انکار کیا کہ گویا انہوں نے کچھ دیکھا ہی نہیں، لہذا وہ حضرت ابوطالب علیہ السلام سے کہنے لگے:

تمہارے بھتیجے کے دوسرے جادوؤں کی طرح یہ بھی جادو ایک ہے۔ اس طرح وہ گمراہیوں کی عمیق گہرائیوں میں جا گرے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام خانہ خدا کے قریب آئے۔ آپ نے پردہ خانہ خدا کو پکڑ کر کہا:

”یا رب! ہمیں ظالموں پر کامیابی و کامرانی عطا فرما! انہوں نے میرے رحم کو قطع

کیا ہے اور حرمت کو توڑا ہے۔“

آپ نے ایک طولانی اور زیبا قصیدہ پڑھا، لیکن انہوں نے کہ مجھے فقط دو شعر یاد ہیں، کیا ہی اچھا ہوتا کہ تمام برادران اس جلسہ کے ختم ہونیکے بعد مدرسہ کی لائبریری میں جائیں، اور وہاں تاریخ کی کتابوں میں ان اشعار کو تلاش کر کے پڑھیں۔

ایک طالب علم اٹھ کر سوال کرتا ہے کہ اس داستان کا تذکرہ کس کتاب میں ہے؟ میں نے کہا داستان صحیفہ معروف اور تاریخ کی تمام کتابوں میں ہے تم چاہتے ہو تو تاریخ یعقوبی، سیرت ابن ہشام، تاریخ ابن کثیر، طبقات ابن سعد اور عیون الاخبار ابن قتیبہ کی طرف رجوع کرو۔ یہ تمام کی تمام اہل سنت کی معتبر کتابیں ہیں۔

بہر حال حضرت ابوطالب علیہ السلام نے قصیدہ غزالی میں ارشاد فرمایا:

الان خیر الناس نفسا و الد
اذا عد سادات البریة احمد
نبی الاله و الکریم باصله
واخلاقه وهو الرشید المویذ۔

[تاریخ الصغیر بخاری ۱، تاریخ ابن عساکر ج ۱، ص ۶۷۵، تاریخ ابن کثیر ج ۱، ص ۲۶۶، اصحاب ابن حجر ج ۴، ص ۱۱۵، دلائل النبوا ابو نعیم ج ۱، ص ۶]

جان لو کہ ”احمد شخصیت اور حسب و نسب کے حوالے سے تمام سادات و بزرگانِ خلافت کے سردار و رئیس ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک عظیم انسان ہیں کہ آپ پسندیدہ ترین اخلاق کے مالک ہیں۔ وہ ایک کامل و دانا مرد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید و نصرت حاصل ہے۔“

کیا یہ کافی نہیں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے آپ کو ”نبی الاله“ سے تعبیر کیا ہے؟

کیا یہ حضرت محمد کی نبوت و رسالت کی شہادت کے لئے کافی نہیں ہے؟

ان دو شعروں کے علاوہ ایک رباعی ہے، جس میں حضرت ابوطالب علیہ السلام نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی صریحاً گواہی دی۔ اتفاقاً بخاری نے اپنی ”تاریخ صغیر“ میں، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ابن حجر کی نے اپنی کتاب ”اصبابہ“ میں اس رباعی کو ذکر کیا ہے کہ جس میں آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ستائش بیان کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

لقد اکرم الله النبي محمد

اکرم خلق الله في الناس احمد

وشق له من اسمه ليحمله

فذو العرش محمود وهذا محمد

”پروردگار عالم نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کافی عظمت و وقار عطا کیا ہے، خالق اکبر نے لوگوں کے درمیان احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ عظمت و رفعت اور بلند مقام پر فائز کیا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے نام سے اس کے نام کو مشتق کیا۔ خود صاحب عرش و محمود ہے اور یہ محمد ہیں۔“

یہ اشعار ظاہری طور پر اور باطنی لحاظ سے واضح و روشن ہیں، اور ان اشعار سے حضرت ابوطالب علیہ السلام کی عظمت و بزرگی، علم و فضل، کمال و جمال اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و موڈت عیاں ہوتی ہے۔

استاد کہنے لگے کہ اس دوسرے شعر کی نسبت تو حسان بن ثابتؓ کی طرف دی جاتی ہے۔ میں نے کہا! اتفاقاً حسان بن ثابتؓ نے بھی ان اشعار کو حضرت ابوطالب علیہ السلام سے

لیا ہے، اور وہ اپنے قصیدہ کے ضمن میں ان اشعار کو مدح پیغمبر میں لائے ہیں۔

آپ واقعہ استقواء کو بھی یاد کریں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام اور حضرت عبدالمطلب نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (جب کہ آپ اس وقت بچے تھے) مدد چاہی اور آپ سے پانی طلب کیا یہ قصہ تو مشہور و معروف ہے اور یہ واضح دلیل ہے کہ یہ دونوں بزرگوار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے، اور آپ کو اللہ کا آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تسلیم کر رہے تھے کہ ابھی تک آپ نے اپنی رسالت کا ظاہری طور پر اعلان بھی نہیں کیا تھا اور آنحضرت اُس وقت لوگوں کے سامنے ”رسول صلی اللہ علیہ وسلم دین“ کے عنوان سے مشہور بھی نہیں ہوئے تھے۔

یہ دونوں بزرگوار تو اس روز سے جانتے تھے کہ اس بچے کا عند اللہ کیا مقام و منزلت ہے۔ دو سال ہو چکے تھے کہ مکہ میں بارش نہ ہوئی تھی۔ لوگ قحط سالی کا شکار تھے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام اس چھوٹے عقل مند بچے کو کعبہ کے پاس لائے، اور آپ کا کعبہ کی طرف منہ کر کے خداوند تعالیٰ کو اس کے حق کی قسم اور واسطہ دے کر کہتے ہیں:

اے میرے خداوند! اس بچے کی عظمت کے واسطے ہم پر ابر رحمت برسا۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ہاتھ بارگاہ الہی میں اٹھے تھے کہ ادھر مکہ کی فضا پر سیاہ بادل چھا گئے۔ اس قدر بارش ہوئی کہ لوگوں کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں اس بارش سے سیلاب خانہ خدا کو بہا کر نہ لے جائے۔

جب حضرت ابوطالب علیہ السلام کی یہ دعا پوری ہوئی تو آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی مدح میں ارشاد فرمایا:

وَبِيضُ يَسْتَسْقِي الْعَمَامَ بَوَجْهَهُ
ثَمَّالِ الْيَتَامَى عَصْمَةَ لِلْأَمَلِ

بلو ذلہ الہلاک من آل ہاشم

فہم عندہ فی نعمة وفواضل

ومیزان عدل لا یخیس شعیرة

ووزان صدق ووزنہ غیر ہائل

[شرح قسطلانی بر بخاری ج ۲، ص ۲۲۱، خصائص الکبریٰ ج ۱

ص ۲۰۰، السیرة الحلییة ج ۱ ص ۲۵]

میری گفتگو ابھی جاری تھی کہ پوری کلاس سراپا گوش بنی ہوئی حضرت ابوطالب علیہ السلام کے پر مغز اور پر معانی اشعار کو سن رہی تھی، کہ اچانک پیریڈ کی تبدیلی کی گھنٹی بجی، استاد نے شکر کا کلمہ پڑھا، اور فوراً جان چھڑا کر کلاس سے باہر نکل گئے جاتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے تمہیں دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ تم میرے شاگردوں میں ایک ایسے ذہین شاگرد ہو کہ جسے مسائل عقیدتی اور تاریخ پر تسلط حاصل ہے، اور تمہیں استدلال و برہان پر ملکہ حاصل ہے۔ مجھے تم پر فخر ہے کہ تم ایک زیرک و ذہین طالب علم ہو، لیکن کیا تم میرے تمام سوالوں کا جواب دینے کی قدرت رکھتے ہو؟

میں نے کہا: میں نے آپ کے ہر سوال اور تنقید کا دلیل کے ساتھ جواب دیا ہے اور آپ کے تمام اعتراضات کو برہان کے ساتھ رد کیا ہے۔ اگر آپ قانع نہیں ہوئے تو میں آپ کی خدمت میں ہر وقت حاضر ہوں جس وقت آپ کا دل چاہے بحث ہو سکتی ہے۔

استاد:

البتہ آپ کی گفتگو ابوطالب علیہ السلام کے متعلق بہت ہی اچھی تھی، اور یہ میرے لئے نئی چیز تھی، لیکن جو تم نے ابوطالب علیہ السلام کے اشعار نقل کیے ہیں پھر بھی ان سے وہ کافر تصور کیے جاتے ہیں۔

شاگرد:

میں نے کہا: اگر کوئی حق تک پہنچنا چاہتا ہے، اور اس پر دلیل بھی موجود ہو تو پھر کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو باطل قرار دے۔

استاد:

کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ابوطالب علیہ السلام نے ہمیشہ حق کا ساتھ دیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، یا فقط اپنا دفاع کرتے رہے؟ میری جان! یہ کیسی گفتگو ہے۔

شاگرد:

میں نے کہا: استاد! ناراض نہ ہوئے گا، حق سننا بڑا مشکل ہے اور ہر کسی کے بس میں نہیں ہے کہ وہ حق کا حوصلہ و تدبیر سے ذائقہ چکھ سکے۔ آپ اپنی کتابوں کا حضرت ابوطالب علیہ السلام کی شان و عظمت اور ایمان کے بارے میں مطالعہ کریں۔ آپ کے اوپر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی، کہ وہ مومن کامل تھے۔ اگر اس کے بعد بھی محسن رسالت کو کوئی کافر کہے تو پھر واضح ہے کہ اس کی کنش میں ریگ ہے!

استاد:

تم نے کہا ہے کہ ہماری کتابوں میں تناقض پایا جاتا ہے۔ کیا اس پر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے؟

شاگرد:

میں نے کہا: بہت زیادہ! یہ ایک مقام و مورد ہی کافی ہے کہ آپ اس پر پوری توجہ فرمائیں کہ تمام بزرگان نے اپنی اپنی کتابوں میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اشعار کو نقل کیا ہے کہ جن کو ابوطالب علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں پڑھا ہے، لیکن اس کے باوجود بڑی ڈھٹائی سے اس مرد خدا کو کافر لکھتے ہیں، کیا یہ تناقض نہیں ہے؟

استاد نے کہا: آپ کو جاننا چاہئے کہ ابوطالب علیہ السلام، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھتے تھے۔ انہوں نے ساری زندگی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی آغوش میں پروان چڑھے۔ اس میں کیا اشکال ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو خوش رکھنے کے لئے ان مصائب و مشکلات کا سامنا کیا ہو؟

میں نے کہا! استاد تعریف کرنے اور نبوت کی گواہی و شہادت دینے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ فقط آپ نے نہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کی ہے، بلکہ آپ نے کئی مقامات پر نبی کی نبوت و رسالت کی گواہی بھی دی ہے۔ یہ مقام اشارہ و کنایہ کا نہیں ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کر دیا تھا کہ مسلمان عورتوں کو نکاح کفار کے ساتھ باطل ہے اور کون نہیں جانتا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی زوجہ فاطمہ بنت اسد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایمان لانے والی عورت ہیں۔ وہ اس وقت سے لے کر آخری وقت تک اپنے شوہر نامدار ابوطالب علیہ السلام کے ساتھ رہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہرگز ابوطالب علیہ السلام سے جدا ہونے کا حکم نہیں دیا تھا۔

استاد! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے پاس معلومات کا خزانہ ہے، اتفاق کی بات ہے کہ میرے پاس کافی مسائل و مطالب اور موضوعات ہیں کہ جن کے بارے میں آپ کی رائے اور عقیدہ کو جاننا چاہتا ہوں، لیکن متاسفانہ وقت ختم ہو گیا ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ ہم دونوں اس پر مفصل بحث کریں گے، اور ایک دوسرے کو نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملے گا۔

ہماری بحث ختم ہو گئی، اور ہم واپس لوٹ آئے۔ اور ساری بحث کو اپنے والد مرحوم کے سامنے پیش کیا۔ والد بزرگوار میری گفتگو کو سن کر خوش ہوئے اور انہوں نے میرے لئے کافی دعائیں کیں اور پھر فرمانے لگے۔

فرزندم! حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ایمان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے مومنوں کی مانند تھا کہ جنہوں نے اپنے ایمان کو مخفی و پوشیدہ رکھا تھا۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے روز اول سے ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی گواہی دی تھی، اور آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ایمان رکھتے تھے۔ اگر آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے قائل نہ ہوتے تو پھر رسالت کی آپ اس قدر حمایت نہ کرتے، اور آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر دفاع نہ کرتے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دستور الہی کے مطابق حق نہ رکھتے تھے کہ ابوطالب علیہ السلام کی کافرانہ حمایت حاصل کرتے اور ابوطالب علیہ السلام سے اس طرح محبت و دوستی رکھتے؟ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں جو اشعار فرمائے ہیں آپ نے ان میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی واضح و صریح گواہی دی ہے، اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا ہے۔ اور یہ اشعار اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان اشعار کو آپ ”ابوطالب علیہ السلام مومن قریش“ مصنف عبداللہ خیزی میں دیکھ سکتے ہیں اور ان اشعار کو لکھ کر اپنے استاد کو دے دینا۔ جھگڑا اسی بات پر ختم ہو جاتا ہے کہ پیغمبر کی دعوت ذوالعشیرہ ”وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْكَافِرِينَ“ سے لے کر آخری عمر تک ہر جگہ ہر مقام پر کھل کر اعلان رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی اور آپ نے حمایت پیغمبر میں قریش سے کھلی جنگ لڑی۔ آپ نے دل و جان سے پیغمبر کا دفاع کیا۔ اگر آپ پیغمبر کی رسالت کے قائل نہ ہوتے تو پھر کیا پڑی تھی کہ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کرتے؟ کیا ابولہب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بچا نہ تھا کہ اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مبارزہ کیا؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب سے پہلے اپنے رشتہ داروں اور اقرباء کا جلسہ طلب کیا تھا جو دعوت ذوالعشیرہ کے نام سے معروف ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جلسہ میں کھانا کھانے کے بعد ان کو اسلام کی دعوت دی۔ جب ابولہب نے مجمع

﴿آل زبور سے پیش کیوں؟﴾

سے کھڑے ہو کر اعتراض کیا تو حضرت ابوطالب علیہ السلام نے ہی اُس کے اعتراض کا جواب بڑے غصے میں دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

پس آپ نے رُخ انور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی اور عرض کرنے لگے:

اے میرے سردار! اٹھو اور اپنی گفتگو کو باکمال شہامت بیان کرو۔ جو تمہارے دل میں ہے وہ بیان کرو، اور پیغام الہی کا کھلے بندوں اعلان کرو، کیونکہ تم سچے اور امین ہو۔ یہ کس قسم کا کافر ہے کہ جو اپنی پوری طاقت و توانائی اسلام کی حمایت میں خرچ کر رہا ہے؟ اور پوری قوت و طاقت سے اسلام کا دفاع کر رہا ہے؟ آپ نے اپنی زبان اور ہاتھ سے اپنے کیا نتیجے کے اسلام اور پیغام کی کھلی حمایت کی، اور اپنے کافر شتہ داروں کو بڑی سختی سے دور کہ مبادا کہیں وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو آسیب نہ پہنچائیں، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے آرام سے اپنے پروردگار کے پیغام کا ابلاغ کر سکیں۔ اس دن سے قریش سے ٹھن گئی۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام نے اپنے شعب (شعب ابوطالب) میں نبی کی نبوت کی اور ان کے تمام ساتھیوں سمیت حمایت کی؟ اگر اس طرح کے حضرت ابوطالب علیہ السلام کافر تھے تو پھر میں بھی کافر ہوں ... ???

میں اپنے باپ کا شکر یہ بجالایا اور کتاب ”ابوطالب مومن قریش“ کے سراغ میں نکل گیا اور میں نے دیکھا کہ مصنف کتاب نے واقعا کافی زحمت اور تکلیف سے اس کتاب کو مرتب کیا ہے اور اس نے خوب حضرت ابوطالب علیہ السلام کا دفاع کیا ہے، لیکن اس سے پہلے علامہ امینی قدس سرہ، نے اپنی کتاب ”القدر“ کی ساتویں جلد میں ستر (۷۰) صفحات پر مشتمل حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کے بارے میں تفصیل بحث کی اور آپ نے واقعا علمی استدلال پیش کئے۔

بہر کیف یہ گفتگو ایک اندازہ تمام ہوئی۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان اشعار کو بھی پیش کیا جائے، جو حضرت ابوطالب علیہ السلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں کہے، تاکہ

قارئین کرام کے لئے کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہ جائے اور طالبان حق تک حق پہنچایا جائے۔
حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے اشعار کو نقل کیا ہے، جو
آپ نے نجاشی کے لئے بھیجے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ وہ مہاجرین حبشہ سے اچھا سلوک کرے وہ
اشعار یہ ہیں:

ليعلم خيار الناس ان محمداً
وزير لموسى والمسيح بن مريم
اتانا بالهدى مثل ما اتيا به
فكل بامر الله يهدى ويعصم

[مستدرک حاکم ج ۲ ص ۶۲۳ بہ نقل از ابو اسحاق]

”نیک لوگوں کو جاننا چاہئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام
کے جانشین ہیں، وہ ہماری ہدایت کے لئے دین لائے ہیں، جس طرح وہ
پہلے دونی لائے تھے۔ پس یہ تمام اللہ کے نمائندے امر خدا سے لوگوں کو
ہدایت کرتے ہیں اور گناہ سے بچاتے ہیں۔“

اور وہ اشعار کہ جن میں آپ نے رسولی خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا ہے وہ یہ ہیں۔

والله لن يصلوا اليك بحمهم
حتى اوسد في التراب دفيناً
فاصدع بامرک ما عليك غضاضة
واشر بسذاك وقر منك عيوننا
ودعوتتي وعلمت انک ناصحي
ولقد دعوت وكنت ثم اميناً

ولقد علمت بان دين محمد

من خير اديان اليريه ديننا

[خزانة الادب بغدادی ج ۱ ص ۲۶۱ تاریخ ابن کثیر ج ۳ ص ۴۲ الاصابہ ج

۴ ص ۱۶، سیرة الحلبيہ ج ۱ ص ۳۰۵ شرح ابن ابی الحديد ج ۳ ص ۳۰۶]

”خدا کی قسم وہ سب مل کر بھی تجھے آسب نہیں پہنچا سکتے، جب تک میں زندہ ہوں (خاک میں پوشیدہ نہیں ہو جاتا) پس تم اپنی رسالت کا کھل کر اعلان کرو، اور ابلاغ رسالت کے لئے کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرو، تمہیں اس سلسلہ میں بشارت ہو اور تمہاری آنکھیں روشن و منور ہوں۔ آپ نے مجھے ”دین مبین“ کی دعوت دی، اور مجھے معلوم ہے کہ آپ میرے خیر خواہ ہیں، اور آپ نے مجھے دین الہی کی دعوت دی، آپ تو اٹھتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ دین محمد ﷺ سابقہ تمام ادیان سے بہتر ہے۔“

حضور سرور کائنات ﷺ کی مدح سرائی میں ایک طولانی قصیدہ ہے کہ جس میں حضرت ابوطالب علیہ السلام نے چند اشعار رسول خدا ﷺ کی رسالت و نبوت کی مدح میں کہے ہیں اور ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرة کی جلد اول کے صفحہ ۲۸۶ تا ۲۹۸ میں ۱۹۴ اشعار کو نقل کیا ہے۔

یہ قصیدہ طولانی ”معلقات سبع“ کی مانند ہے۔ اس قصیدہ میں فصاحت و بلاغت چھلکتی ہے۔ آپ نے اس وقت ان اشعار کو پڑھا کہ جب قریش و قعاً ہی عنقمر اسلام سے جنگ و مبارزہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور وہ نیزوں کے سروں کے بل بوتے پر مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ سے دور کرنا چاہتے تھے۔

قسطلانی نے اپنی کتاب ارشاد الساری کی جلد ۲ ص ۲۲۷ پر اس عظیم قصیدہ کی

عظمت اور فصاحت و بلاغت کا اعتراف کیا ہے، اور ان اشعار کو ایک سوس (۱۱۰) شمار کیا ہے۔ ہم ان اشعار کو پورے فقر خاص ضرور کرتے، لیکن اس سے کتاب کا حجم زیادہ ہو جائے گا۔ اسی پر اکتفاء کرتے ہیں، کیونکہ انہی اشعار سے ہی جناب ابوطالب رضی اللہ عنہ کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدہ تندی اور آپ کی رسالت پر کامل ایمان کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ ایک مقدس و پاک سرشت انسان تھے، آپ نے ساری زندگی نبوت و رسالت کی نگہبانی کا شرف حاصل کیا۔ آپ نے مشکل سے مشکل وقت میں بھی رہبر اسلام کی حمایت کی۔ آپ کافروں کے لئے ننگی تلوار تھے۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار ان لوگوں پر اتمام حجت ہیں کہ جو آپ کو کفر کی تہمت سے یاد کرتے ہیں، اور ایک مرد الہی کو کافر سمجھتے ہیں۔

ابوطالب رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں جہاد استقامت کے میدان کے شہسوار تھے، اور آپ کو قریشیوں کے درمیان ایک بلند مقام حاصل تھا۔

ابوطالب رضی اللہ عنہ ایک ماہ تاباں تھے آپ نے آفتاب درخشاں محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے نورانی کرنیں حاصل کی تھیں۔ آپ نے صدائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سرزمین بطناء پر پوری طاقت جلالت سے بلند کیا، اور وہ صدائے حق تھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ابوطالب رضی اللہ عنہ کی حمایت نے آئین الہی کو مستحکم کر دیا۔ آپ کے دل نشین اشعار اور نصرت نے مکہ کی فضا پر چھائی ہوئی ظلمت و تاریکی کو روشنی میں تبدیل کر دیا۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بے چوں و چرا مرید تھے، کہ جس کے جسم میں صاحب رسالت کی محبت، میل و رغبت اور عشق جاری تھا، اور آپ کا ہر قدم رسالت کی حمایت میں اٹھتا تھا۔ آپ کا ہر سانس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و نصرت کے لئے تھا، آپ کا سینہ دھڑکتا تھا، تڑپا رہنے نبی کی تحریک اسلامی کے لئے، گویا کہ کوئی بھی گھڑی

ایسی نہ ہوتی کہ جس میں آپ نصرت رسول ﷺ نہ کرتے اور پھر کون نہیں جانتا کہ اسلام کے ابلاغ اور دفاع کے لئے ابوطالب علیہ السلام اور اولاد ابوطالب علیہم السلام نے ہر زمانہ میں کھل کر حمایت کی، اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی حمایت نے اسلام کو چار چاند لگا دیئے، اور تحریک اسلام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید کر دیا۔ جب رسول خدا ﷺ نے ابوطالب علیہم السلام کی وفات پر گریہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”اے میرے چچا گرامی قدر! آپ نے بچپن میں میری تربیت کی، مجھے یتیمی کی حالت میں اپنی آغوش میں پالا اور بزرگی میں میری مدد کی۔ خداوند آپ کو اس کی اجزائے خیر دے۔“

یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

”رحلت ابوطالب علیہ السلام نے رسول خدا ﷺ کو آزرده و محزون اور غمگین ورنجیدہ کر دیا، کہ جب آپ اپنے مربی چچا کی لاش پر آئے تو آپ نے اپنے چچا کی پیشانی کی دائیں جانب چار مرتبہ اپنا ہاتھ پھیرا اور تین مرتبہ بائیں جانب، پھر آپ نے اس پر نالہ و گریہ کیا اور آپ کے لئے دعائے خیر کی، حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات حسرت آیات پر رسول خدا نے اس قدر گریہ کیا کہ آپ نے اس سال کا نام ”عام الحزن“ رکھا۔“

کیا پیغمبر اسلام ﷺ ”والعیاذ باللہ“ ایک کافر کی موت پر اس قدر گریہ و نالہ کرتے؟ کیا پیغمبر ﷺ کو ایک کافر کی موت اس قدر آزرده و گریہ کرتی کہ آپ نے اس سال کا نام ہی غموں کا سال رکھ دیا.....؟

کیا رسول خدا ﷺ کو عہدہ رسالت پر اس لئے مامور نہیں کیا گیا کہ آپ کفار کے ساتھ سختی سے برخورد کریں اور مومنین کے ساتھ عطف و مہربانی کے ساتھ؟ آپ کو ایک کافر سے اس قدر مہر و محبت تھی کہ آپ نے اس سے تمام مومنین سے بھی زیادہ اظہار محبت کیا اور آپ کی وفات پر گریہ کیا؟

تاریخ کی درستگی لازم ہے اور اس قسم کے تضادات اور بیہودہ کلام کو تاریخ کے صفحات سے محو کر دینا چاہئے، کیونکہ یہ تاریخ کے چہرے پر بد نما دہے ہیں، اور یہ ان لوگوں کی پیروی و اتباع ہے کہ جن کے جسموں میں وحی رسول اللہ ﷺ کی دشمنی حرکت کرتی ہے۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی سے دشمنی فقط یہی ہے کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے باپ ہیں اور یہی سبب ہے کہ تاریخ کے بے رحم موڑ خوں نے آپ کو تازیانہ الحاد ہے اور کفر و شرک سے ہانکا ہے۔ جب کہ تاریخ اسلام ابوطالب علیہ السلام کے اسلام پسند ہونے کی نعمتوں سے مالا مال ہے کہ آپ محمد ﷺ کے دست و بازو تھے۔



مودت آل رسولؐ کا ثبوت

استاد سے ہماری سب سے پہلے بحث ایمان ابوطالب علیہ السلام پر ہوئی، اور دوران درس چند روز اس پر بحث و تحقیق جاری رہی، لیکن وقت کی کمی کے باعث کسی روز بھی طولانی گفتگو نہ ہو سکی۔ چونکہ یہ بحث کئی روز اور کئی جلسوں پر مشتمل تھی، لہذا ہم کھل کر بحث نہ کر سکے، اس لئے مطالب ناقص و ناتمام ہیں، اور ہم کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔ ایک روز استاد نے مجھے پیش کش کی کہ ہم اتوار اور بدھ کے روز پانچویں پیر ایڈ کے بعد تفریح کے وقت اساتذہ کے کمرہ میں بحث کریں گے۔ یہ پیر ایڈ تفریح اور کھانے کا تھا اور یہ پچاس منٹ پر مشتمل تھا۔ لہذا یہ طے ہوا کہ ہم اس فرصت سے استفادہ کرتے ہوئے اسی پیر ایڈ میں ہی بحث کیا کریں گے۔

میں نے اس پیش کش کو قبول کر لیا، لیکن میرے دل میں ایک کھٹکا سا لگا رہا کہ مجھے اپنے پڑھے لکھے (Qualified) استاد سے بحث نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ اس میدان میں مجھے کوئی مہارت تامہ حاصل نہ تھی، اس مقابلہ علمی کے لئے ہمت نہ ہوتی تھی، لیکن میں نے اپنے فریضہ اور تبلیغ کی خاطر اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ میں سمجھتا تھا کہ اس مقام پر فکر اہل بیت علیہم السلام کا پرچار کرنا ضروری ہے۔ میں استدلال کے مختصر اسلحہ سے مسلح تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی خدا پر بھروسہ کر کے رسمی جلسوں کا آغاز ہو گیا۔



آیت ولایت کی تفسیر

ہماری پہلی رسمی گفتگو ۸، اکتوبر ۱۹۶۸ء بروز اتوار شاف روم میں شروع ہوئی
استاد بحث کی ابتداء کرتے ہوئے مجھے کہنے لگے:

تمہارا عقیدہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے اپنی اپنی کتابوں میں تناقض سے کام لیا ہے۔
کیا آپ اپنی گفتگو و سخن کو روشن تر اور متدل تر بیان کر سکتے ہیں؟ اور اسی ضمن میں اپنے مطالب
و مفہام کو ہماری کتب (صحاح ستہ) سے بیان کریں جو ہمارے لئے مورد اطمینان ہیں۔
میں نے کہا! آپ کس موضوع پر بحث کرنے کے لئے تیار ہیں؟

کیا بہتر نہیں ہے کہ خلافت علیؑ پر گفتگو کی جائے، جو ہمارے اور تمہارے
درمیان اصلی اختلاف ہے؟

اتفاقاً میرا بھی اس موضوع پر بحث کرنے کے لئے میلان اور حجان تھا۔

میں نے کہا: تمہارا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے اپنا جانشین خود منتخب نہیں کیا، اور آپؐ
بغیر کسی وصیت کے اس دنیا سے چلے گئے، جب کہ تمہاری تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں جگہ
جگہ پر آنحضرتؐ کے سخن و وصیت کو کتاب و سنت کے مطابق لایا گیا ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے
کہ تمہارے اموال میں وصیت تو نافذ و جاری ہو جائے، بلکہ اس کو واجب و ضروری سمجھا
جائے، لیکن جس وصیت کی پیغمبرؐ نے خود تصریح کی ہو اسے مسلمانوں کے حال پر چھوڑ دیا
جائے؟ اور بانی شریعت مسلمانوں کے اہم ترین مورد پر وصیت نہ کرے، اور دنیا سے
چلا جائے کی اس سے ہرج و مرج لازم نہیں آتا؟ اور امت مسلمہ کو بزور بازو اور شمشیر

﴿آل زبور﴾ یعنی کون ہیں؟ ﴿﴾
 وطاقت کے استعمال سے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کرنے پر مجبور کیا جائے؟ بے گناہ مسلمانوں
 کا کس قدر خون بہہ گیا؟ اور آج تک اسلام کے دامن میں یہ فساد برپا ہے، اور یہ سقیفہ کی لگی
 ہوئی آگ بجھے کو نہیں آتی؟
 کیا یہ تناقض نہیں ہے؟

تم کس تناقض کی بات کرتے ہو کہ تمہارے مورخین نے اپنی اپنی تاریخ اور
 حدیث کی کتابوں میں رسول ﷺ کی اس حدیث کو شہ سرخیوں سے نہیں لکھا ہے کہ آپؐ
 نے ارشاد فرمایا:

انسی ترکت فیکم الننتقلین، کتاب اللہ وعترتی
 اہل بیتی ما ان تمسکتہم بہمالن تضلوا بعدی
 ابدأ۔

”میں تمہارے درمیاں دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ کتاب
 اللہ اور میری عترت جو کہ اہل بیت علیہم السلام ہیں اگر تم نے ان دونوں سے
 تمسک رکھا تو پھر میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔“

اور دوسری جگہ پر بڑی ڈھٹائی سے لکھتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے
 ارشاد فرمایا:

کتاب اللہ و سنتی

جدید کتابوں میں ”وعترتی“ کو نہیں لکھ رہے ہیں۔ یہ تاریخ کی کتابوں پر واضح
 ظلم ہو رہا ہے۔ پھر بھی آپ کہہ رہے ہیں کہ ہماری صحیح کتابوں میں تناقض کا وجود
 نہیں ہے؟

استاد! میری آپ سے خواہش ہے کہ جذبات میں آ کر بحث نہ کریں، آپ جو

﴿آل زبور﴾ میں کیوں؟

بھی بات کریں اس پر استدلال پیش کریں۔ یک طرفہ ٹریفک چلانے سے کامیابی نہیں ہوتی۔

میں نے کہا: آپ نے حق کہا ہے۔ میں جو بات بھی کروں گا اس پر آپ کی کتابوں سے استدلال کروں گا، اور میں آپ کے سامنے استدلال کے ساتھ ثابت کروں گا کہ علی علیہ السلام کی ولایت و جانشینی صد در صد ثابت ہے، اور لسان رسول خدا ﷺ پر (جس کی زبان پر ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ“ کی مہریں لگی ہوئی ہیں) ایک بار نہیں بلکہ کئی بار جاری ہوا ہے۔ آپ کی صحاح اور مسانید جو آپ کی لئے مورد اطمینان ہیں میں نقل ہوا ہے۔

استاد! تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ خلافت علی علیہ السلام پر رسول اکرم ﷺ کی کسی قسم کی نص ہم تک نہیں پہنچی، اور ہم قرآن کی آیت کے مطابق خلافت کے قائل ہیں۔

”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ، ان هُوَ اِلَّا وحي يوحى علمه شديد

القبو يو امرهم شورى بينهم۔“

[سورہ قصص آیت ۵۶]

”آپ اپنی خواہشات سے کچھ نہیں فرماتے تھے، بلکہ آپ تو وہی کہتے تھے جو وحی کہتی تھی، آپ پر پروردگار کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی، اور آپ کو ایک فرشتہ کے ذریعہ تعلیم دی جاتی۔“

شورئى کے علاوہ خلافت و ریاست کا تصور ممکن نہیں ہے اور حضرت ابو بکر کی خلافت پر بزرگ اصحاب کے امضاء اور تائید حاصل ہے۔

میں نے کہا: یعنی آپ کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور دوسرے اصحاب شورئى کے معتقد تھے اور پیغمبر پر ان کا اعتقاد نہ تھا، اور ہم شیعوں کا عقیدہ ہے کہ

﴿اَلَمْ نَزَلْنَاكَ فِي قُرْآنٍ مَّعْرُوفٍ؟﴾

پیغمبر اسلام ﷺ مسلمہ رہبری اور اپنی جانشینی کے لئے لوگوں سے مشورہ نہ کرتے تھے، بلکہ آپ فقط نص کرتے تھے، آپ اپنی طرف سے بیان نہ کرتے تھے، بلکہ پروردگار کی طرف سے ان پر وحی نازل ہوتی تھی اور آپ اس کا اعلان کرتے تھے، کیا خدا کا یہ ارشاد نہیں ہے:

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں صراحتاً ولایت علی علیہ السلام کو ہمارے لئے بیان کیا ہے، اور ولایت کو خدا، رسول ﷺ اور علی علیہ السلام میں منحصر کیا ہے۔
استاد! پھر تم جذباتی ہو رہے ہو، علی علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں کہاں ذکر ہوا ہے؟

میں نے کہا: استاد! نام کا ذکر کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ نے جن صفات کا ذکر کیا ہے وہ فقط علی علیہ السلام پر منطبق ہوتی ہیں۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو میں ان کا ذکر کروں؟

استاد! جی ہاں!

خداوند تعالیٰ سورہ مائدہ کی آیت ۵۵ میں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّمَا وَلِيَّكُمْ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الَّذِيْنَ يَّقِيْمُوْنَ
الصَّلٰوةَ وَيُوْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ۔

”بے شک تمہارا ولی خدا اور اس کا رسول ﷺ ہے، اور وہ صاحبان ایمان

کہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔“

[تفسیر قرطبی، ج ۴، ص ۲۹۴، تاریخ ابن کثیر ج ۱، ص ۲۴ کی طرف رجوع کریں۔ وضاحت ضروری ہے کہ کافی آیات جمع کی صورت میں نازل ہوئی ہیں، (بقیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

لیکن اس سے مراد ایک شخص ہے چند آیات کو نمونہ کے طور پر اشارہ نہ کر

کرتے ہیں قارئین کرام ان آیات کی شان نزول کے لئے آپ خود جستجو کریں
الف آیت ۸ سورہ ممتحنہ ”لاینها کم اللہ عن الذین لم یقاتلو کم“ جو حضرت
ابوبکر کی بیٹی اسماء کے متعلق نازل ہوئی ہے

ب سورہ نور ۳۳ آیت ”والذین یتغون الكتاب“ یہ آیت حویطب کے غلام
صبیح کے متعلق نازل ہوئی ہے چنانچہ اس کا ذکر اسدالغابہ والاصابہ اور
رقرطی میں ہوا ہے

۷ سورہ آل عمران کی ۱۵۴ آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ ”یقولون ہل الناس
الامر من شئ“ اس جملہ کا ایک فرد قائل تھا اور یہ رئیس منافقین عبداللہ بن
اسی سلول تھا

ج آیہ ۶۱ از سورہ توبہ ومنہم الذین یوتون النبی ”منافقین میں سے کسی ایک
شخص کے بارے نازل ہوئی ہے

سورہ نساء کی ۱۷۶ آیت ”یستغونک قل اللہ یتفیکم فی الکلالۃ“ یہ جابر بن
عبداللہ تھے کہ جس نے سوال کیا تھا، لیکن یہاں پر جمع کا صیغہ لایا گیا
اسی طرح آیات نساء: ۱۰ / فاطر / ۲۹، عمران / ۱۷۳، بقرہ / ۲۱۵، مجادلہ /
۶۲، توبہ / ۱۰۳، مائدہ / ۵۲، بقرہ / ۲۷۴، اور منافقوں کی آیت ۸ کی طرف
رجوع کریں]

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ کلمہ ”انما“ حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی ولایت اسی
آیت میں منحصر ہے کہ خداوند تعالیٰ، اس کا رسول ﷺ اور مومنین کا وہ گروہ جو نماز پڑھتے
ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حالت رکوع میں سائل کو انگشتی صدقہ کے طور پر دی تھی۔

استاد! الذین آمنوا! یہ جمع کے طور پر آیا ہے۔ اس کو کس طرح ایک فرد پر

اطلاق کیا جاسکتا ہے؟

قرآن مجید میں اس طرح کی مثالیں زیادہ پائی جاتی ہیں کہ آیت صحیح کی صورت
میں آتی ہے، لیکن شان نزول ایک فرد کے لئے ہے۔ مجھے ایک آیت یاد آئی ہے کہ
جس کو نمونہ کے طور پر پیش کر رہا ہوں وہ آیت یہ ہے:

لقد سمع الله قول الذين قالوا ان الله فقير ونحن اغنيا۔
 ”خداوند تعالیٰ نے ان لوگوں کی گفتگو کو سنا جو کہہ رہے تھے کہ خداوند فقیر
 ہے اور ہم غنی ہیں۔“

حسن بصری، عکرمہ اور دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ آیت حی ابن اخطب کے
 متعلق نازل ہوئی ہے۔ اور یہ داستان کہ علیؑ نے حالت رکوع میں سائل کو انگشتی
 صدقہ کے طور پر دی اور یہ روایت حد تو اتر تک پہنچی ہے، اور بڑے بڑے بزرگ صحابہ
 کرام ابو ذرؓ، انسؓ، جابرؓ، ابورافعؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عمارؓ
 اور عمرو بن عاصؓ اور دیگر صحابہ کرام نے نقل کیا ہے اور تابعین نے اپنے استاد کے
 ساتھ ان صحابہ کرام سے نقل کیا ہے شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کی کتابیں اس پر گواہ ہیں،
 اور تفاسیر کی کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

استاد! تمہارے قول کے مطابق یہ خبر حد تو اتر تک کس طرح پہنچی ہے جبکہ ہمیں
 اس کی خبر تک نہیں ہے۔؟

معذرت کے ساتھ، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کافی مسائل سے آگاہی نہیں ہے۔
 مجھے امید ہے کہ آئندہ بحث پر میں آپ کی کتابوں سے زیادہ مطالب پیش کروں گا کہ
 جو آپ کی کتابوں میں ذکر ہوئے ہیں، اور آپ کے علماء مورخین نے جان بوجھ کر آپ
 تک نہیں پہنچائے، تاکہ آپ کو معلوم نہ ہو سکے کہ رحلت، پیغمبر ﷺ کے روز سے لے کر
 آج تک وہ کون سی سازش تھی کہ جس کی وجہ سے مسائل کلیدی پر پردہ ڈالا گیا، اور جھوٹی
 روایات بنائی گئیں۔ کیا بحث کو ختم کرنے کے لئے یہ تہمت کافی نہیں ہے؟

استاد! اگر اس طرح نہ ہوا ہو تو کیا ہم تمہاری اطلاعات پر مطمئن ہو جائیں، لیکن
 میں حوصلہ سے کام لے رہا ہوں تاکہ حق آشکار و واضح ہو جائے، یا کم از کم پردہ پڑے

ہوئے مسائل پر تمہیں آگاہ کروں۔

اس پر میں نے اپنے جذبات و احساسات پر کنٹرول کیا۔ معذرت سے، معاف فرمانا، ہم کسی قسم کے پس پردہ مسائل نہیں رکھتے، ہمارے تمام عقائد روشن و آشکار ہیں۔ ہر زمانہ میں ہمارے علماء کرام اور بزرگان دین نے مختلف طریقوں سے عقائد شیعہ کو کتابوں کی صورت میں یا علمی مباحث کے ذریعہ لوگوں تک پہنچایا۔ آپ نے شاید یہ تہمت لگائی ہے کہ شیعہ ایمان حیدر کرانے اس میں رنگ آمیزی کی ہے۔

استاد! میرے ذہن میں بہت سارے مطالب اور سوال اٹھ رہے ہیں، جنہیں تم تفتیح کی بھینٹ چڑھادیتے ہو۔ ان کو میں یہاں پر بحث کے لئے فی الحال پیش کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں، جب تک آپ اس مندرجہ بالا آیت کی وضاحت نہیں کر لیتے، میرے ذہن میں یہ سوال ابھر رہا ہے کہ آیت میں حکم ہو رہا ہے کہ وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں، اور تمہارا کہنا ہے کہ وہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں کہ جنہوں نے رکوع کی حالت میں سائل کو انگشتی صدقہ میں دی ہے۔ جب کہ ظاہر آیت کی دلالت یہ ہے کہ زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ واجب ہے، نہ کہ صدقہ ہے اور ویسے بھی انگشتی کا دینا واجب زکوٰۃ پر اطلاق نہیں کرتا۔۔۔؟



زکوٰۃ سے مراد کیا ہے؟

زکوٰۃ کا اطلاق واجب اور مستحب ہر دو پر ہوتا ہے، اگر بعض ”آیات زکوٰۃ“ کا معنی واجب زکوٰۃ پر اطلاق ہوتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تمام آیات زکوٰۃ واجب پر ہی اطلاق کرتی ہیں، بلکہ واجب اور مستحب ہر دو پر ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ اصل میں تو راہ خدا میں مطلق انفاق کرنے کا نام زکوٰۃ ہے۔

قرطبی اہل سنت کے بزرگ مفسرین میں سی ہیں ان کی تفسیر ”الجامع الاحکام القرآن“ معروف و مشہور ہے وہ لکھتے ہیں:

خداوند تعالیٰ کا قرآن میں یہ فرمانا کہ ”وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ“ اس آیت کی دلالت زکوٰۃ مستحب صدقہ کے معنی میں وارد ہوئی ہے، کیونکہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ علیؑ نے حالت رکوع میں اپنی انگشتری صدقہ کے طور پر سائل کو دی۔ اور اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے حکم ہو رہا ہے:

وَمَا آتَيْتُمْ مِّنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُضْعِفُونَ۔

[سورہ روم، آیت: ۳۹]

”اسی طرح کی زکوٰۃ صدقہ پر دلالت کرتی ہے۔ جو واجب اور مستحب کو شامل ہے۔“

[تفسیر الجامع قرطبی، ج ۶ ص ۲۲۱]

علامہ طباطبائی جو کہ بزرگ شیعہ مفسر ہیں۔ اپنی تفسیر ”المیزان“ میں ان آیات کے متعلق لکھتے ہیں کہ جو زکوٰۃ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں آپ ان کی نسبت انبیاء کرام کی طرف دیتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول کو نقل کیا گیا ہے وہ فرماتے ہیں:

واوصاني بالصلوة والزكاة مادمت حيا۔

[سورہ مریم، آیت ۳۱]

”مجھے نماز و زکوٰۃ کی سفارش کی گئی جب تک میں زندہ ہوں“

یہ اس زمانہ کی بات ہے کہ جب شرائع گزشتہ میں زکوٰۃ کے اصطلاحی معانی آج کی طرح بیان نہ ہوتے تھے۔ بہر کیف کلمہ ”صدقہ“ کا زکوٰۃ واجب اور مستحب ہر دو پر اطلاق ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کا شکال نہیں ہے۔

استاد اتم نے کہا ہے کہ بڑے بڑے معروف و مشہور اصحاب نے اس آیت کے شان نزول کو حضرت علی علیہ السلام کے متعلق نقل کیا ہے، لیکن آپ نے بیان نہیں کیا کہ وہ اہل سنت کی کون سی معتبر کتاب ہے جس میں انہوں نے اظہار کیا ہے، اور اپنے کلام میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ؟

میں نے پہلے بھی من جملہ قرطبی کا قول نقل کیا ہے، اور مجھے یاد ہے کہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اہل سنت کے بزرگ مفسرین اور حافظوں نے ستر (۷۰) مقامات پر اس آیت کو حضرت علی علیہ السلام کے متعلق نقل کیا ہے۔ ان میں سے زمخشری نے اپنی کتاب کشاف میں، طبری نے اپنی تفسیر ابن کثیر میں، حکانی، سیوطی اور دوسرے لوگوں نے اپنی اپنی کتب میں نقل کیا ہے۔

[تفسیر کشاف زمخشری، ج ۱ ص ۶۴۹،

تفسیر طبری ج ۶، ص ۱۶۵، تفسیر ابن کثیر ابن کثیر، ج ص

۷۱، شوہد التنزیل حسکانی ج ۱، ص ۱۶۱، در النشور سیوطی، ج ۱، ص ۲۹۳، جواہر احسان ثعالبی ج ۱، ص ۴۷۱، ابن حجر پیشمی صواعق محرکہ ص ۴۱، آلوسی تفسیر روح المعانی، ج ۲، ص ۳۲۹، کنز العمال، ج ۶ ص ۳۱۹ الحافظ البغوی، معالم التنزیل ج ۳، ص ۱۸۲، (حاشیہ تفسیر ابن کثیر) [۸]

ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ولایت (امور مسلمین) خدائے اُس کے رسول ﷺ اور اس مومن میں منحصر ہے جس نے حالت رکوع میں زکوٰۃ یا صدقہ دیا ہے اور اس میں بزرگ علماء مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے اس آیت کی دلالت مستقیم بے چون و چرا علیؑ ابن ابی طالب کی شان اقدس پر دلالت کرتی ہے۔

استاد! یہ اوصاف جو تو نے بیان کیے ہیں اور تیرے استدلال سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے علاوہ تمام خلفاء اس منصب کے اہل ہی نہ تھے اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ امام فقط علیؑ ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کے فرزند دوسرے گیارہ امام بھی اس آیت میں داخل نہیں ہیں، جب کہ تم شیعہ ان کی امامت و ولایت کے قائل ہو۔

جناب! امامت علیؑ تو ثابت و محرز ہو گئی، لیکن دوسرے آئمہ اطہار علیہم السلام کی امامت و ولایت کے متعلق شیعوں کا عقیدہ ہے کہ علیؑ کی وصیت اور ہر امام اپنے بعد آنے والے امام کا نام لیتا تھا، اور اس کی لوگوں کو معرفی کرنا تھا۔ لہذا دوسرے آئمہ اطہار علیہم السلام کی امامت بھی بحکم نص قطعی ہے، اور جو اشکال اور اعتراض ہوتے ہیں وہ پہلے امام اور جانشین پیغمبر ﷺ پر ہوتا ہے کہ جانشین رسول ﷺ کون تھا؟ ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن و سنت کی نص کے مطابق پہلا خلیفہ اور امام علیؑ ہیں۔ جس کا اقرار شیعہ و سنی ہر دو گروہ کے بزرگ علماء نے کیا ہے اور یہ حق

مسلمہ علی علیہ السلام کا تھا کہ خداوند تعالیٰ نے ان کو یہ حق دیا تھا اور پیغمبر اسلام نے مختلف مقامات پر اس کی تاکید فرمائی تھی، شوریٰ اور سقیفہ کی کھلی دھاندلی کی ضرورت نہ تھی۔ اسی انشاء میں پیریڈ کی گھنٹی بجی، استاد سے رخصت ہوتے ہوئے یہ طے پایا کہ بدھ کے روز انشاء اللہ دوبارہ بحث ہوگی۔



دشمن اہل بیت علیہم السلام کی حیرت انگیز شکست

ہم دونوں بروقت اساتذہ کے کمرہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت کمرہ کی وضع بدل چکی تھی، ہماری استاد کے پہلو میں تین دیگر استاد بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے سے غنیض و غضب نپک رہا تھا۔ کمرہ پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پورے کمرہ کے ماحول میں وحشت و خوف طاری تھا۔ میں خدا پر توکل کرتے ہوئے اہل بیت علیہم السلام کی مدد کی امید لگا کر اطمینان سے کمرہ میں داخل ہو گیا۔

میرے استاد نے دوسرے اساتذہ کو میرا تعارف کروایا اور کہنے لگے:

میں نے ان کو بحث کے متعلق بتایا ہے اور ان کی خواہش ہے کہ یہ بھی گفتگو میں شرکت کریں اور بحث میں حصہ لیں۔ گذشتہ گفتگو اور بحث سے ہمارے جلسہ کی ابتداء ہوئی، گذشتہ مطالب کا خلاصہ پیش کیا جائے۔ میں نے تفاسیر اور مفسرین کے ناموں کی ایک لسٹ پیش کی کہ جن کا اس آیت کے متعلق نظریہ تھا کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان اقدس میں نازل ہوئی ہے۔ ہم اسی بحث کے درپے تھے کہ ناگہانی ایک استاد جس کی آنکھوں میں خشم و نفرت کی لہریں دوڑ رہی تھیں، اور اس کے چہرے پر غصہ کے جذبات ہویدا تھے بڑی ڈھٹائی اور سخت لہجے میں کہنے لگے کہ علامہ بزرگ ابن تیمیہ نے کسی طرح بھی اس آیت کی طرح تفسیر نہیں کی ہے اور وہ شیعوں کو خطا پر سمجھتا تھا۔

میں نے کہا! واقعاً اگر اس کے دل و جان میں دشمنی اہل بیت خون کی جگہ گردش نہ کر رہی ہوتی تو وہ اس قسم کا سوء قصد نہ کرتا۔ یقینی طور پر اس نے اس مورد پر اشتباہ کیا

ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ بلند پایہ محققین و مفسرین، عالی مقام علماء کرام اور تمام دانش مند ان اسلام کی کسی مطلب و موضوع پر ایک نظر ہو؟

ان بزرگان اسلام کا اتفاق ہو؟ اور وہ ان تمام بزرگان کو غلطی پر تصور کرتا ہو، اور فقط ابن تیمیہ ہی صحیح تھا۔۔۔۔۔؟ مجھے قبول ہے، جو بھی مجھ پر اعتراض کرے گا اس کو میں قرآن و سنت سے جواب دوں گا۔ آپ میں سے جس کی خواہش ہے وہ اپنے اعتراضات کو بیان کر دیں۔ اگر میں جواب دینے سے عاجز آ گیا، اور میری قوت جواب دینے سے ماند پڑ گئی تو اس وقت آپ کو حق حاصل ہے کہ ہمارے درمیان ابن تیمیہ کے حق کو لے آؤ، البتہ بغیر کسی مقدمہ و تمہید کے اس کی گفتگو اور سخن کو لے آنا قرین قیاس نہیں ہے، اور میری سمجھ میں اس کا کوئی مطلب نہیں آتا۔

میری اس جسارت و جرات پر اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا، اس نے میرے استاد کی طرف رخ کر کے کہا:

مجھے تم پر تعجب ہو رہا ہے، کہ تم کس طرح ایک بچے کی گفتگو کو گوش کر رہے ہو؟ اور اپنے عقیدہ کو خود شیعوں کے ہاتھوں میں دے رہے ہو؟

تمہارے لئے میں مسئلہ آسان کر دیتا ہوں، شیعوں کا قرآن کے سلسلہ میں مخصوص عقیدہ ہے۔ ان کا مخصوص قرآن ہے، جس کو ”مصحف فاطمہ“ سے یاد کرتے ہیں۔ یہ خلفاء کو قبول نہیں کرتے، یہاں تک کہ ان کا رسول خدا ﷺ کے متعلق بھی نظریہ مختلف ہے۔ یہ معتقد ہیں کہ جبرائیل نے اشتباہہ کیا ہے۔ والعیاذ باللہ وہ پیغمبر پر نازل ہوا جب کہ اسے علی علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا۔ یہ علی علیہ السلام کو مقام الوہیت سے بھی بلند تصور کرتے ہیں۔ اس نے بہتیں لگانی شروع کر دیں، اور وہ مسلسل دروغ گوئی سے کام لے رہا تھا، اور شیعوں کی طرف جعلی نسبتیں دے رہا تھا۔

دو دوسرے افراد نے بھی اس کی تائید کی، اور انہوں نے بھی اس کی گفتگو کا تکرار کیا۔ مجھے اس ماحول سے کسی قسم کی وحشت محسوس نہ ہوئی، کیونکہ ان میں زبان درازی کے علاوہ کوئی قوت و طاقت نہ تھی کہ وہ میری گفتگو کا مدلل جواب دیتے۔ میں خوش تھا کہ انہوں نے منطق و استدلال کی زبان میں مجھ سے گفتگو نہیں کی، بلکہ انہوں نے جوش و جذبات سے کام لیا۔ اور لچر قسم کی زبان استعمال کرنے لگے، میں اطمینان قلب سے ان کی لچر گفتگو کو سنتا رہا، اور اس وقت کا منتظر تھا کہ کب ان پر حملہ کروں۔

میرا استاد میرے چہرہ کا مطالعہ (Face Reading) کر چکا تھا، وہ ان پر برس پڑا اور ان پر سخت ناراض ہوا، ان کی طرف رخ کر کے کہنے لگا: کیا تم نے مجھے نہیں کہا تھا کہ ہم کسی قسم کا دنگا و فساد برپا نہیں کریں گے۔ وگرنہ میں تمہیں اس علمی مباحثے میں دعوت نہ دیتا۔ اب تم کیوں لڑائی جھگڑے پر اتر آئے ہو؟ انتظار کریں اور یہ بچہ مجھے بلحاظ ایک استاد کس طرح جواب دے گا؟ تم کیونکر اس کی توہین و تحقیر کر کے اس کو اس علمی مباحثے سے بھگانا چاہتے ہو؟ یہ بحث اور گفتگو کا سلیقہ نہیں۔ تم نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ دوستانہ ماحول میں بحث ہوگی اور بحث دلائل و براہین پر مبنی ہوگی، لیکن تم پر افسوس ہے کہ تم نے کوئی اچھا طریقہ سلیقہ اور شستہ انداز نہیں اپنایا، بلکہ اس پر حملہ آور ہو گئے ہو۔ کیا تم وقت سے استفادہ کیے بغیر ماحول کو اپنے کنٹرول میں لے سکتے ہو؟

میں نے کہا: استاد ان کو بولنے دیجئے گا۔ میں ان کی گفتگو کے ایک حصہ کی تائید کرتا ہوں۔ ناگہانی طور پر میری گفتگو نے حاضرین کو متعجب اور حیران کر دیا، اور وہ میری گفتگو سننے کے منتظر ہو گئے۔

میں نے اپنی گفتگو کو شروع کرتے ہوئے کہا کہ حق تمہارے ساتھ ہے۔ ہمارا خدا تمہارے خدا کے علاوہ ہے! ہمارا پیغمبر تمہارے پیغمبر کے علاوہ ہے! ہمارا قرآن تمہارے

قرآن کے علاوہ ہے! ہمارا امام و خلیفہ تمہارے خلیفہ سے مختلف ہے!

وہ جھگڑا معلم ”مجھے ان کا نام بھی یاد نہیں تھا“ میرے استاد کی طرف رخ کر کے کہنے لگا:

میں نے نہیں کہا تھا کہ ان کا دین اور ہے، یہاں تک کہ ان کا عقیدہ خدا کے متعلق ہمارے عقیدہ کے علاوہ ہے۔ اچھا ہوا کہ اس نے خود اس کا اعتراف کر لیا۔ البتہ یہ لوگ آسانی سے اپنے عقیدہ کو ٹٹا ہر نہیں کرتے، بلکہ تقیہ کرتے ہیں، لیکن اب اس نے تقیہ نہیں کیا۔

میں نے کہا: تقیہ وہاں کیا جاسکتا ہے جہاں پر جان کا خطرہ ہو، مجھے جان کا خطرہ نہیں ہے۔ ویسے تقیہ قرآن و سنت اور عقل و نقل کی نظر میں پسندیدہ فعل ہے۔ اس وقت اس موضوع پر بحث نہیں کی جاسکتی۔ اس کے مقام پر منطق و استدلال کی زبان میں ثابت کروں گا کہ تقیہ عقل و نقل اور قرآن کے لحاظ سے ایک اسلامی نظریہ ہے، لیکن اب ہم دوسرے موضوع پر بحث کریں گے۔

میرے استاد نے کہا: تم اصل موضوع سخن پر بحث کرو۔ تم خدا، قرآن اور پیغمبر کے متعلق کیا کہنا چاہتے ہو۔



خداوند تعالیٰ کے متعلق شیعیان حیدر کرار کا عقیدہ

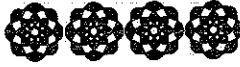
میں نے کہا ہمارا خدا وہی ہے کہ ”لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ“ لیس کمثلہ شیء کی مثل کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ کا جسم نہیں ہے۔ ہماری آنکھیں اس کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔ ”لَا تُدْرِكُهُ الْبَصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْبَصَارَ“ ہمارا عقیدہ ہے کہ کوئی بھی انسان دنیا اور آخرت میں کسی طرح بھی خدا کی ذات بابرکات کو شکل و صورت میں محسوس نہیں دیکھ سکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے ہیں کہ خداوند میں تیرا دیدار کرنا چاہتا ہوں۔ جواب آتا ہے کہ ”لَنْ تَوَالِي“
 ”اے موسیٰ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔“
 پھر موسیٰ پر وحی نازل ہوتی ہے:

ولكن انظر الى الجبل فان استقر مكانه، فسوف تراني
 ”تم پہاڑ پر نگاہ کرو، پس اگر اپنے مکان و مقام پر قائم و دائم رہا تو پھر تو مجھے دیکھ لے گا۔“

نور الہی کی تجلی پہاڑ پر پڑی۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وحشت ناک صدا کی تاب نہ لاتے ہوئے زمین پر بے ہوش گر پڑے۔
 ہمارا عقیدہ ہے کہ حقیقتِ خدا کسی پر آشکار نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ اسے علوم اولین

وآخرین پر دسترس حاصل ہو۔ خدا جغرافیائی سرحدوں میں جکڑا ہوا نہیں ہے۔ اس کی ابتداء و انتہا کا کسی کو علم نہیں ہے، اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ وہ اول بھی ہے اور آخر بھی، وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ جو خدا کی حدوں کو چھوٹنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے وہم و خیال کی سرحدوں میں سرگرداں پھرتا ہے۔ اس نے اپنے وہم کو درک کیا نہ کہ خداوند تعالیٰ کی ذات برکات کو۔



خداوند تعالیٰ کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ

تم اہل سنت برادران کا خدا کے بارے میں عقیدہ نص قرآن کے صریحاً خلاف ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے دیدار اور رویت کی بطور کلی نفی کی ہے، لیکن تم معتقد ہو کہ خدا روز قیامت مومنین کو اپنا دیدار کرائے گا، اور تم اس کے وجود پاک کی مختلف اور مخصوص علامات بیان کرتے ہو۔ [صحیح بخاری جلد ۹ ص ۱۰۹]

تم خدا کو مجسم تصور کرتے ہو کہ وہ ایسا جسم رکھتا ہے جس سے وہ ہسٹا بھی ہے اور چھاتا بھی ہے۔ [صحیح بخاری ج ۹، ص ۱۰۸ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰۵]
وہ دو ہاتھ اور دو پاؤں رکھتا ہے۔ [صحیح بخاری ج ۹، ص ۱۴۳ ص ۲۰۲]
ہر شب آسمان سے دنیا کی طرف آتا ہے۔ [صحیح بخاری ج ۲، ص ۴۷]

روز قیامت خدا چاہے گا کہ جہنم کو پر کیا جائے۔ یہاں خالی جگہ دیکھے گا وہاں پر ناگہان اپنا پاؤں داخل کر دے گا۔ فوراً جہنم پر ہو جائے گی، اور اس کے بعد اس میں کوئی اور بدن نہیں آئے گا۔ [صحیح بخاری، ج ۸، ص ۱۷۸]

تم ذات احدیت کی طرف اس قسم کی بیہودہ نسبت دیتے ہو اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا تم ذات الہی سے مذاق و ٹھٹھا کرتے ہو کہ اس قسم کی جسارت کرتے ہو! اگر غیر مسلم اس قسم کی بیہودہ ولا یعنی اور مسخرہ کن گفتگو کو سن لیں، کیا وہ پیغمبر اسلام اور خدا کی ذات برکات سے بیزاری کا کھلے ہندوں انہار نہ کریں گے؟ کیا وہ

اسلام کا مذاق نہ اڑائیں گے؟

تمہاری عجیب و غریب فکر ہے کہ تم خداوند تعالیٰ کو ایک جسم متحرک تصور کرتے ہو، اور اس عظیم ذات کو مادی اوصاف سے متصف کرتے ہو؟

تمہارا خدا کے بارے میں ایسا عقیدہ ہے تو پھر پیغمبر اسلام ﷺ اور دوسری عظیم ہستیوں کے بارے میں تو معاملہ صاف ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ میں نے تائیدِ نبی و ایزدی سے محمد و آل محمد کے صدقہ میں بڑی جرأت اور دیدہ دلیری سے ان مطالب کو پیش کیا۔ بعد میں مجھے اپنی گفتگو پر خود تعجب ہوا، مجھے یقین تھا کہ اس طرح گفتگو بغیر امدادِ نبی اور الٰہی کے نہیں ہو سکتی۔

اچانک ان میں ایک درشت لہجہ میں میری گفتگو کو قطع کر کے کہنے لگا کہ کیا تو ہمارے ساتھ مسخرہ کر رہا ہے، اور اپنے نظریات و آراء کو ہمارے اوپر ٹھوس رہا ہے؟

میں نے بڑی معذرت سے کہا کہ میں نے آپ کے سامنے جو مطالب پیش کیے ہیں یہ سارے صحیح بخاری میں موجود ہیں کہ جس کو تم قرآن کے بعد سب سے بڑی اور سچی کتاب تسلیم کرتے ہو، کہ اس کتاب میں کسی قسم کا ابطال اور خطا نہیں پائی جاتی اور اسناد کے طور پر اس کو پیش کرتے ہو، اور اس سے احکام حاصل کرتے ہو۔ تم اس بخاری کے مطالب کو صد در صد صحیح کم و زیادتی کے بغیر تسلیم کرتے ہو، البتہ مجھے ابھی صفحات یاد نہیں ہیں۔ کل ان مطالب کو صفحات کے ہمراہ تمہاری خدمت میں پیش کر دوں گا۔

ایک دوسرا کہنے لگا کہ تیری گفتگو کو، ہم کیسے تسلیم کر لیں کہ یہ صحیح بخاری پر منطبق ہوتی ہے؟ شاید تو نے مطالب کو اچھی طرح یاد نہ کیا ہو، یا تو ہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔

میرا استاد کہنے لگا! آپ مطمئن رہیں یہ جو کچھ بھی کہے گا بڑی ذمہ داری سے کہے گا۔ اس کی گفتگو میں کسی قسم کا شک نہ ہوگا۔ یقینی طور پر یہ مطالب صحیح بخاری میں موجود ہوں گے۔ اس

نے ابھی تک ہمارے ساتھ جو بھی بحث کی ہے اس میں استدلال اور منطق چھلکتی ہے اور اس کی گفتگو صحیح ہوتی ہے۔ آج یہ ہم سے غلط بحث ”جو خلاف واقع ہو“ نہیں کرے گا۔

میں نے کہا: استاد! میں آپ کی اجازت سے دوسرے مطالب کو بیان کرنا چاہتا ہوں، تاکہ ہم اس وقت سے زیادہ زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔
کہنے لگا: ضرور آپ بحث کو جاری رکھیں۔

میں نے کہا: میں خداوند تعالیٰ کے متعلق فہرست وار گفتگو کروں گا کہ ان میں سے ایک مفصل و طولانی روایت بخاری میں نقل کی گئی ہے۔ جو میں نے توحید کے متعلق اہل سنت برادران کا نظریہ بخاری سے پیش کیا ہے۔ ان میں سے فقط ایک مورد نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ ضمناً میں اپنے بزرگ دوستوں کو یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ جو بھی میں نے کہا اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ صحیح بخاری اور دوسری صحاح اہل سنت سے نقل کیا ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک مفصل روایت کے ضمن میں نقل کرتے ہیں کہ
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[صحیح بخاری، ج ۶ ص ۳۰۰ ج ۹ ص ۱۰۹، کتاب التفسیر باب قولہ
فسبح بحمد ربك]

میں روز قیامت مختلف امتوں کے درمیان خداوند تعالیٰ کا منتظر ہوں گا، کہ
اچانک اللہ تعالیٰ ظاہر ہو جائے گا اور کہے گا۔
”کہ میں تمہارا خدا ہوں“

پیغمبر کہیں گے کہ کیا تو ہی ہمارا پروردگار ہے؟
خداوند ان کو ثابت کرنے کے لئے کہ میں ہی تمہارا پروردگار ہوں، ان کو
کہے گا: کیا تم اس کی کوئی علامت و نشانی جانتے ہو کہ اس کو پہچان سکو؟ کہیں
گے: جی ہاں! اس کا پاؤں!

پس فوراً خداوند تعالیٰ اپنے پاؤں کو دیکھائے گا اور پھر اسی وقت ہر مومن
آپ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے گا۔

کیا یہی خدا کا تصور {Concept} ہے کہ جو خود قرآن مجید میں

ارشاد فرماتا ہے:

وما كان بشرا ن يكلمه الله الا وحيا او من وراء حجاب
”کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ خداوند تعالیٰ اس سے ہم کلام ہو،

سوائے وحی یا پردہ و حجاب کے پیچھے“؟

خدا کی قسم اس طرح کی خدائی خدا کے لئے سزاوار نہیں ہے کہ جس طرح جھوٹے
راویوں نے اپنے تصورات اور ادہام کو خدا کی طرف نسبت دی ہے۔ اس میں کسی قسم کی
حقیقت اور سچائی نہیں ہے۔

اسی صحیح بخاری میں ابو ہریرہ سے اس طرح کی روایت نقل کی گئی ہے کہ واقعاً خندہ
آر اور مسخرہ پن پر مشتمل روایت ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اس قسم کی روایات کو
صحیح بخاری میں کیوں لے کر آئے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق عجیب روایت نقل کی
ہے۔ نہ فقط آنحضرت کی توہین کی گئی ہے بلکہ یہ خداوند تعالیٰ کی بھی توہین ہے۔ ابو ہریرہ
کا بیان ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا:

”جب بنی اسرائیل حمام میں جاتے تھے، تو پہلے برہنہ ہو جاتے، اور ایک
دوسرے کی شرمگاہ پر نگاہ کرتے! جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھا حمام میں
جاتے اور کسی کا انتظار نہ کرتے۔ ایک روز وہ آپس میں کہنے لگے، کہ
حضرت موسیٰ یقینی طور پر ہمیں حمام میں آنے کی اجازت نہیں دیتے۔

بہر کیف ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام حمام میں جانے کے لئے آمادہ
ہوئے اور انہوں نے اپنے کپڑوں کو ایک پتھر پر اتار کر رکھ دیا۔ (خداوند

تعالیٰ چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل جان لیں کہ موسیٰ میں کسی قسم کا عیب و نقص نہیں ہے۔

لہذا ناگہانی طور پر سنگ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لباس کو چوری کر لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ناراض ہو گئے اور آپ نے سنگ کا پچھا کیا اور کہنے لگے: اے سنگ! میرے لباس کو واپس کر دے! میرے لباس کو واپس کر دے!

لہذا یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام عریاں ہو گئے اور بنی اسرائیل نے اس فرصت سے استفادہ کیا کہ موسیٰ میں کسی قسم کا عیب و نقص نہیں ہے! بہر کیف موسیٰ علیہ السلام سنگ تک پہنچتے ہیں، اور اپنے لباس کو لے لیتے ہیں، اور اس کے بعد ناراحت ہو جاتے ہیں۔ اور سنگ بچارے پر لٹھیاں برسائی شروع کر دیتے ہیں!

حضرت ابو ہریرہ نے اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ خدا کی قسم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چھ یا ساتھ دفعہ سنگ کو لٹھی ماری!

[صحیح بخاری، کتاب الغل، ج ۱ ص ۱۶۹]

میں تمہاری اس داستان میں کسی قسم کا حاشیہ نہیں لگاؤں گا۔ آقا یان محترم! کیا یہ واقعہ تمہاری اسی صحیح بخاری میں ہے کہ جس میں کسی قسم کا باطل اور جھوٹ ذکر نہیں ہوا۔ فیصلہ آپ کی کورٹ میں ہے؟

بہر حال، چونکہ دامن وقت میں زیادہ گنجائش نہیں ہے، اور میری خواہش ہے کہ دوسرے دو تین موضوعات پر بحث ہو جائے۔

بحث خدا کے متعلق تھی، میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت پیغمبر خدا کے متعلق بحث کی جائے کہ تمہارے پیغمبر اور ہمارے پیغمبر کے درمیان کون سا فرق ہے؟

پیغمبر کے بارے میں شیعیان حیدر کرار کا عقیدہ

ہمارے پیغمبر حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ تمام کائنات سے افضل و اعلیٰ ہیں، آپ کو خداوند تعالیٰ نے ایک کامل انسان پیدا کیا ہے۔

آپ ملک انبیاء کے رئیس اور پیامبران و رسولان اولین و آخرین کے پیشوا ہیں اور آپ ساری کائنات اور مخلوق کے مرجع و ماویٰ ہیں۔

آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں آپ کے وجود اقدس کی وجہ سے ساری مخلوق کو خلق کیا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْآفَلَاقَ "وہ دامن خلوت و جلوت

"ذَنَا فَتَدَلُّنِي فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنَىٰ"

رکھتے ہیں کہ اس مقام پر کوئی رسول نہ پہنچ سکا، اور نہ ہی کسی صلیب مقرب کو اس

مقام کو اس مقام قَابَ قَوْسَيْنِ پر پہنچنے کی توفیق ہو سکی۔

جبرائیل امین آپ کو اسی مقام و منزلت سے "مقام دو" تک لے جا کر آگے نہ جا

سکتے کا عذر کرتا ہے۔ اس کا عذر بھی صحیح ہے کہ آگے جانے کی اس میں ہمت بھی کہاں ہے؟

وہ ایک عظیم ہستی ہے کہ خداوند اس کے نام کی قسمیں اٹھاتا ہے، اور اس کو

"لعمرك" کہتا ہے۔ پروردگار عالم نے اپنے حبیب کا تعارف "رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ" سے

کرایا ہے۔ اور ذات الٰہی نے آپ کو "وَ اِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ" کی سند عطا کی ہے۔

وہ اس ہستی و کائنات کے لئے چراغ ہدایت ہیں جو کہ اچھے لوگوں کو بشارت

دیتے ہیں اور بُرے لوگوں کو انداز کرتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں آپ کو ان عہدوں کی طرف متوجہ کیا ہے۔

((ياايهاالنبي انارسلناك شاهدا ومشرراً ونذيراً وداعياً الى

الله باذنہ وسراجاً منيراً))

”اے میرے نبی! میں نے تجھے لوگوں کے لئے گواہ، بشارت دینے والا،

ڈرانے والا، خداوند تعالیٰ کے اس امر کی طرف دعوت دینے والا اور

تابناک و روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔“

ہم جتنا بھی پیچھے چلے جائیں آپ کو پیغمبر ﷺ تسلیم کریں گے نہ آپ فقط روز

خلقت آدم پیغمبر تھے، بلکہ آپ کو اول مخلوق ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ جس زمانہ

میں حضرت آدم علیہ السلام آب و خاک میں تھے، کہ آپ کی خلقت کے لئے آمیزہ تیار کیا جا

رہا تھا آپ اس وقت بھی نبی تھے۔ یہ میری گفتگو کسی افسانہ کا حصہ نہیں ہے، بلکہ خود

رسول گرامی قدر کا ارشاد پاک ہے۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ

آپ تمام خطاؤں، گناہوں، چھوٹے بڑے اشتباہات، لغزشوں اور غلطیوں

سے معصوم ہیں۔ اگر کسی نے آپ کی طرف ہدیٰ یا انفراد باندھا، یا آپ کو غلط کار

سمجھا تو اس نے پھر اپنی بدینتی کا اظہار کرتے ہوئے حکم قرآن کی صریحاً مخالفت کی ہے

کہ ارشاد تو حید ہو رہا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

”وہ تو وہی کہتا ہے جو وحی کہتی ہے“

اگر کائنات کے اس عظیم انسان کو لوگوں کی طرح جانے لگیں کہ کبھی وہ اشتباہ کرتا

﴿آل زلزلے میں کیوں؟﴾

ہے اور کبھی اس کی طرف بھول جانے کی نسبت دی جائے تو اس سے بڑھ کر جناب ختمی مرتبت کی اور کون سی توہین ہوگی، ہم ایسے پیغمبر سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں جس کو مبعوث بہ رسالت کیا گیا ہو، اور وہ کلمہ اشتباہ کہے یا وہ حد بیان کہے؟

حضور سرور کائنات، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان اقدس کے بارے میں گفتگو کرنا کوئی آسان نہیں ہے، اس کے سامنے تمام فرشتگان مقرب الہی سر تسلیم خم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور خالق کی عظیم مخلوق آپ کی عظمت پر فخر و مباہات کرتی ہوئی نظر آتی ہے، ہم اس عظیم ہادی بشر کی جتنی بھی تعریف کریں وہ دریا کی نسبت ایک قطرہ ہے اور ہم اس کی حقیقت سے آگاہی رکھنے میں عاجز ہیں۔

حضرت علیؑ اس بینارہ نور کی معرفی کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ان الله تبارك وتعالى خلق نور محمد صلى الله عليه وآله قبل ان يخلق السموات والارض والعرش والكرسى واللوح والقلم والجنة والنار، وقبل ان يخلق آدم ونوحا وابراهيم واسماعيل واسحاق ويعقوب وموسى وعيسى وداود وسليمان . وقبل ان يخلق الانبياء كلهم

[بحار الانوار ج ۱۰، ص ۴]

”خداوند تعالیٰ نے حضرت محمد کے نور کو آسمانوں، زمین، عرش، کرسی، لوح، قلم، بہشت، دوزخ، آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام اور تمام انبیاء کی خلقت سے پہلے خلق کیا۔“

پیغمبر کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ

اہل سنت پیغمبر عظیم و بزرگ کی معرفی و شناخت کراتے وقت آپ کو ایک معمولی عام سطح کا انسان پیش کرتے ہیں، اور تمہاری خواہش ہوتی ہے، کہ اسے چھوٹے سے چھوٹا کر کے پیش کیا جائے۔ تم آنحضرت ﷺ کی تحقیر و توہین کرتے ہو، اور اس پاک ہستی کی طرف دروغ، لہو و لعب، فراموشی اور ہذیان کی نسبت دیتے ہو، خدا کی قسم ہمارا رسول ایسا نہیں ہے۔ اس کی زبان اقدس پر تو ”وَمَا يَزِدُّكَ عَنِ الْهُدَىٰ“ کی مہریں لگی ہوئی ہیں۔ ہمارے نزدیک تو ان کا جو مقدس مخلوق الہی پر تاحشر برکت و رحمت ہے۔

حاضرین میں سے ایک شخص جو ابھی تک نہایت ہی آرام و سکون سے بیٹھا ہوا تھا شکایت و گلہ کے انداز میں کہنے لگا کہ ہم بھی حضور ﷺ سرور کائنات کی ان اوصاف حمیدہ کے قائل ہیں، اور تم نے جو لایعنی پیغمبر اکرم ﷺ کی ذات کے بارے میں بحث کی، ہم اس کے قائل نہیں ہیں، اگر تیرے لئے ممکن ہے تو چہرہ یہ بتا کہ یہ نظر یہ فکر تم نے کہاں سے حاصل کیا؟ کون بد بخت ہے جو پیغمبر کی طرف العبا؛ باللہ تالیٰ اور جاہلیت کی نسبت دیتا ہے؟

میں نے کہا بڑا افسوس ہے کہ وقت کم ہے، اب یہ بعض موارد و مقامات کی طرف ارشاد ضرور کروں گا۔ تمہارا پیغمبر وہ ہے کہ اسے کسی شخص نے حالت نماز میں ہاتھ دیا،

اور اس نے چار رکعت کی جگہ دو رکعت نماز پڑھ دی۔ (بخاری ج ۱، ص ۱۸۸)

آپ مسجد میں سو گئے اور بیدار ہو کر بغیر وضو کیے نماز ادا کرنے کے لئے کھڑے

ہو گئے۔

[صحیح مسلم ج ۱، ص ۱۸۷]

آپ نے اس شخص کو بخش اور برا بھلا کہا اور لعنت کی جس نے گناہ کا ارتکاب نہ کیا

تھا۔

[صحیح بخاری ج ۷، ص ۸۵]

آپ رمضان کے مہینہ میں مجب ہو گئے اور آپ کی صبح کی نماز قضا ہو گئی۔

[بخاری کتاب الاذان، ج ۱، ص ۱۷۱]

آپ کو اس قدر بھول ہو جاتی تھی کہ آپ قرآن بھول جاتے تھے۔ ایک روز ایک شخص مسجد میں قرآن پڑھ رہا تھا کہ آپ نے سنا، تو آپ نے فرمایا کہ خدا اس پر رحمت کرے کہ اس نے مجھے بھولی ہوئی آیات یاد دلائی ہیں، میں نے تو فلاں فلاں سورہ کو حذف کر دیا تھا۔

[صحیح بخاری، ج ۳، ص ۲۲۵]

تمہارا پیغمبر وہ ہے کہ جسے بیماری کی حالت میں ہڈیاں کہا گیا کہ جس کا حضرت عمرؓ نے اعتراف کیا ہے کہ:

”ان کو چھوڑ دیجئے ان پر بیماری کا غلبہ ہے اور یہ ہڈیاں کہہ رہے ہیں اور
 لینے لگے کہ ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے۔“

[بخاری کتاب الحیاد و کتاب الوصیہ]

اس سے بڑھ کر تم پیغمبر کو شہوت پرست انسان سمجھتے ہو، کہ وہ فقط ہوا و ہوس اور

عشقی مسائل کے دل دادہ تھے۔

[بخاری، ج ۱، ص ۷۱]

جب کہ آپ شرم محسوس نہ کرتے تھے اور اپنی زوجہ عائشہ کو لوگوں کے سامنے

اشارہ کرتے تھے اور کہتے تھے میں اس کے ساتھ اور بعد میں غسل کرتے تھے۔

[صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۸۸]

خدا کی قسم ہم مسلمانوں نے پیغمبر اکرم ﷺ کا کتنا مقام کم کیا ہے کہ ہم انہیں

انک عام انسان بھی نہیں سمجھتے ہیں چہ جائے کہ ہم اس کے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ

مقام کے قائل ہوتے۔

اچانک صدائے اعتراض بلند ہوئی کہ جناب تم کس طرح کی گفتگو کر رہے ہو؟ ہم کب ایسا عقیدہ رکھتے ہیں؟ تم پیغمبر کی توہین کرتے ہو۔۔۔؟

میں نے کہا! حوصلہ اور آرام سے میں پیغمبر کی توہین نہیں کرتا۔ یہ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ جناب عمر ہیں کہ جو پیغمبر کی طرف ہذیان کی نسبت دے رہا ہے، جناب یہ آپ کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم تو ہے جس نے اس ماجرے کو بیان کیا ہے، اور پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف اس نے اس قسم کی نسبت دی ہے۔ یا تم کہو کہ یہ تمہاری کتابیں نہیں ہیں، یا پھر تم تسلیم کر لو کہ اس نے ہمارے پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف کس قسم کی عام زبان استعمال کی ہے اور اس نے اچھا عمل نہیں کیا ہے۔ (بخاری، ج ۸ ص ۹۶)

کیا یہی بخاری نہیں ہے کہ جس نے عائشہ سے نقل کیا ہے کہ:

ایک روز میں پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ چادر کے نیچے استراحت کر رہی تھی۔ اور میں اس محج سے خجالت محسوس کر رہی تھی کہ جو مسجد میں رقص و سرود میں مشغول تھا! پیغمبر نے مجھے اس قدر بغل میں بھینچا کہ میں تھکاؤٹ محسوس کرنے لگی! (بخاری، ج ۶ ص ۱۳۷)

اور یہاں تک نقل کیا گیا ہے کہ پیغمبر مجلس عروسی میں تشریف فرما تھے کہ رقاصاؤں نے مجرا کرنا شروع کیا، وہ ڈھولک کو بجا رہی تھیں، آپ ان کو بڑے شوق سے دیکھ رہے تھے اور آپ نظارہ کر رہے تھے ان میں ایک نے ان کو کہا تم دیکھ نہیں رہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما ہیں، اور تم گانے اور ناچنے میں مشغول ہو، کیا تمہیں شرم نہیں آتی۔ پیغمبر نے اس سے کہا:

اس طرح نہ کو شعاع زبیا ہیں، ان کو کہنے دو! اصحاب صحیح بخاری نے اس سے کہا:

تم نے پیغمبر کو العیاذ باللہ ایک ابالی آسان کچھ رکھا ہے کہ ایک۔۔۔ ان آپ کا شکر لے

ساتھ آرام فرما رہے تھے کہ آپ کا ران ننگا ہو گیا اسی حالت میں حضرت ابو بکر اور عمر آتے ہیں، پیغمبر اسی طرح سوئے رہے جب عثمان آئے تو آپ اٹھ بیٹھے اپنے لباس کو درست کیا اور اٹھ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے:

یہ وہ شخص ہے کہ جس سے ملائکہ خجالت محسوس کرتے ہیں اور مجھے بھی اس سے شرم کرنا چاہئے۔

اس قبیل کے اہانت آمیز اور جھوٹے الزامات سے تمہاری کتابیں بھری پڑی ہیں! کیا تم چاہتے ہو کہ ایسا پیغمبر لوگوں کو اسلام و قرآن کی طرف دعوت دے؟ کیا ہادی بشر کو خود ایسا ہونا چاہئے؟ کیا معلم اخلاق کو ایسا کرنا چاہئے؟ یہ تمہاری کس طرح کی فکر ہے؟ یہ تمہارا انداز کسی صورت میں بھی صحیح و جائز نہیں ہے کہ تم نے ایک کامل و اکمل، ارفع و اعلیٰ انسان کو زمین پر گرا دیا ہے؟

ابھی میری بحث جاری و ساری تھی کہ کلاس کی گھنٹی بج گئی۔ جب کہ وہ لوگ مبہوت ہوئے بیٹھے تھے، اور ان کے ہوش اڑ چکے تھے۔ ان میں ہمت نہ تھی کہ میرے سامنے کوئی گفتگو کریں۔ اور اس طرف خدا کی مدد بھی شامل حال تھی اور اس طرح خدا کے لطف و کرم سے ہماری گفتگو اس موضوع پر تمام ہوئی، ہماری مجلس برخواست ہو گئی۔ البتہ مجھے آج تک افسوس ہے کہ میں اپنے دل کے عقدہ کو اس سے زیادہ کھول نہ سکا۔



علی علیہ السلام کی ولایت پر نص پیغمبر موجود ہے

قبل اس کے کہ آج ہماری گفتگو شروع ہوتی، استاد کلاس کی طرف آرہے تھے کہ راستہ میں اس نے مجھے دیکھا اور میری طرف آگے بڑھ کر کہنے لگے کہ آج بروقت ہمارے کمرہ میں آجانا، تاکہ ہم بحث کو جاری رکھ سکیں اور تم مطمئن رہو کہ دوسرے لوگ بھی اس دن کی طرح پیش نہیں آئیں گے۔

میں نے کہا: دوسرے لوگوں کا بحث میں حصہ لینا اور بحث میں شدت آنے سے مجھے کوئی ناراضگی نہیں ہے۔ میں تو خداوند تعالیٰ کے ہاں خواہش مند ہوں کہ اس بحث میں زیادہ سے زیادہ لوگ شرکت کریں تاکہ اچھے اور بہتر انداز میں تبادلہ خیال کیا جاسکے۔ اور اس بحث سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جاسکے۔ البتہ میں بے منطق اور فضول بحث سے بیزار ہوں۔ اگر وہ آقا یا ان اور خصوصی طور پر فلاں آقا کہ جو زیادہ شور و صدا بلند کرتا ہے آج بحث میں حصہ لیں تو اس شرط پر کہ ہماری بحث و گفتگو اصولوں پر مبنی ہو۔ میں کسی دلیل اور منطق کے بغیر بحث کرنے کو پسند نہیں کرتا۔ میں اس روز تمام سوالوں کا جواب نہ دے سکا، مجھے اس کا بڑا افسوس ہے۔

استاد زرب لب مسکرا کر کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو اپنی بحث پر مطمئن ہے۔ اور اس بحث و تجحیث کو اپنے لئے افتخار سمجھتا ہے۔ بہر کیف میں ان سے کہوں گا کہ وہ ہماری بحث میں شرکت نہ کریں۔

ہم کلاس میں داخل ہو گئے۔ درس شروع ہوا۔ اس درس اور دیگر تین درسوں

کے بعد ہماری بحث کا وقت شروع ہو گیا۔ میں بحث کے لئے شاف روم میں داخل ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ استاد کے ہاتھ میں تفسیر قرطبی ہے؛ وہ تفسیر آیت ”إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ“ کا مطالعہ کرنے میں مشغول ہیں۔ میں ان کو اس حالت میں دیکھ کر خوش ہوا کہ وہ واقعا حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہیں میں نے ان کی طرف رخ کر کے کہا:

آپ لائبریری سے فقط اسی کتاب کو ہی پیدا کر سکتے ہیں؟

کہنے لگے! نہیں، تفاسیر بہت زیادہ ہیں۔ میں فقط اس تفسیر کو ہمراہ لایا ہوں کہ یہ تفسیر معتبر ہے اور اس کو اس لئے ساتھ لایا ہوں تاکہ اس میں آیت دیکھ سکوں۔

آپ نے سچ کہا تھا کہ اس آیت کی تفسیر میں تمام مفسرین نے یا کم از کم مشہور مفسرین نے باہم اتفاق سے کہا ہے کہ یہ آیت علیؑ کی شان اقدس میں نازل ہوئی ہے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ میں دینی معلم ہوں۔ مجھے یونیورسٹی میں ان مطالب و مفاہیم سے آگاہی ہونی چاہی تھی۔ لیکن میں اس سے بے خبر تھا اور آپ کو یقین کرنا چاہئے کہ نہ فقط میں بلکہ اہل سنت کے اکثر دانش ور اس تفسیر کو درست تسلیم نہیں کرتے؟

میں نے کہا! جناب، اس سوال کا آپ خود ہی جواب دیں کہ ان کے لئے کون سی مجبوری تھی کہ انہوں نے حضرت علیؑ کی فضیلت حقیقی آپ کے سامنے بیان نہ کی؟ کس طرح آپ ان نادرست اور جعلی روایات کو تسلیم کر لیتے ہیں جو عقل سے بھی میل نہیں کھاتیں؟ اور آپ چند مشہور اصحاب کی فضیلت جھوم جھوم کر سن لیتے ہیں۔ اور تفسیر بغیر کسی تحقیق اور پرکھنے کے تسلیم کر لیتے ہیں۔ جب کہ علیؑ کی فضیلت، علیت کے بارے میں آپ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان پر آپ بہت کم گفتگو کرتے ہیں! اگر کلام خدا قرآن مجید سے استدلال نہ بھی کریں اور فقط سنت پر ہی عمل کر لیں، تو آپ کی کتابیں ایسی روایات سے بھری پڑی ہیں کہ جو ثابت کرتی ہیں کہ رسول اسلام ﷺ

نے علی علیہ السلام کو کئی مقامات پر اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ جب کہ قرآن کی آیات بھی علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ اگر خدا نے چاہا تو ان کی طرف اشارہ کروں گا۔

کہنے لگے! اگر تم نے اپنی مرضی سے روایات کی تاویل کی تو پھر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ اگر تم نے اپنی پسند کی تاویل کی کہ جس طرح تمہارا دل چاہے تم ان کی ایک خاص انداز سے تاویل کرو گے، تو پھر کوئی اور اپنی مرضی سے ان کی تاویل کرے گا۔ تو پھر اسناد مدارک کی ارزش ختم ہو کر رہ جائے گی۔ لیکن اگر واقعا ایسی روایات علی علیہ السلام کی خلافت و امامت بلا فصل کے متعلق نہ فقط آپ کی کتابوں میں بلکہ ہماری (اہلسنت) کی معتبر کتابوں میں پائی جاتی ہیں..... تو ان کی طرف اشارہ کرنا اچھی بات ہے۔

میں نے کہا: اس موضوع پر بہت زیادہ روایات معتبر کتابوں میں پائی جاتی ہیں، چونکہ ہماری بحث آج ولایت کے موضوع پر ہے۔ اس لئے میں آج اہم موضوع پر ان روایات کی تیاری کر کے آیا ہوں۔ ان حوالوں کو لکھ کر لایا ہوں، جو ہم مل کر پڑھیں گے۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ علی علیہ السلام خلیفہ و جانشین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے جو کہتا ہے:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجا، جب ہم جنگ سے واپس پلٹ کر آئے ہم سے پوچھنے لگے کہ تمہارے دوست علی علیہ السلام کا تمہارے ساتھ رفتار و سلوک کیسا تھا؟

فقط میں نے اس کی شکایت کی اور باقی کسی نے بھی شکایت نہ کی۔

پس میں نے سر کو بلند کیا اور آنحضرت کے چہرے پر نگاہ دوڑائی، تو میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ غیض و غضب سے سرخ ہو گیا تھا اور آپ نے فرمایا:

من كنت وليه، فعلى وليه۔

”کہ جس کا میں ولی ہوں، اس کا علی ولی ہے۔“

امسند احمد حنبل، ج ۲۵، ص ۳۵۱، مستدرک حاکم ج ۳، ص ۱۱۰، تاریخ دمشق ج ۱، ص ۴۰۳، مجمع الزوائد پیشمی، ج ۱۰۸۹، درالمنثور سیوطی ج ۲، ص ۱۸۲، حلیتہ الاولیا ج ۴، ص ۲۳، نسائی درخصائص الامام علی ص ۱۵۳ [

ترمذی نے اپنی صحیح میں عمران بن حصین سے اس طرح کی داستان نقل کی ہے۔ اس نے طولانی داستان بیان کی ہے، آخر میں کہتا ہے:

فاقبل رسول الله، والغضب يعرف في وحه
فقال: ماتريدون من علي؟ ماتريدون من
علي؟ ان عليا مني وانا منه، وهو ولي كل
مومن بعدى۔

[صحيح ترمذی، ج ۵، ص ۶۳۲، حديث ۳۷۱۲، مسند احمد، ج ۴، ص ۴۲۷، حلیتہ

الاولیا، ج ۶، ص ۱۲۹۴، سدالغابہ، ج ۴، ص ۲۷، تاریخ ابن عسنا ج ۱، ص ۴۱۲]

”رسول خدا ﷺ سخت غصہ کی حالت میں وارد ہوئے، کہ آپ کے چہرے سے غیض و غضب نکل رہا تھا، پھر فرمانے لگے: علی علیہ السلام سے تم کیا چاہتے ہو؟ علی علیہ السلام سے تم کیا چاہتے ہو؟ تم اچھی طرح جان لو کہ علی علیہ السلام مجھ سے ہے اور میں علی علیہ السلام سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے۔“

حدیث غدیر خم

اس واقعہ کا خلاصہ بیان کر رہا ہوں:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے دسویں سال حج کی غرض سے خانہ خدا

تشریف لے گئے۔ اور اسی حج کو ”حجۃ الوداع“ سے یاد کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ آپ کا آخری حج تھا کہ جو آپ بجالائے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ اس آخری حج میں پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ ۹۰ ہزار آدمی تھے اور بعض کے نزدیک ۱۲۰ ہزار افراد اور بعض لوگوں نے اس سے بھی زیادہ تعداد لکھی ہے۔ جب حضور سرور کائنات فریضہ حج کو بجالائے، تو آپ نے واپس مدینہ آنے کا عزم کیا، آپ جمعرات کے روز ۱۸ ذی الحجہ کو غدیر خم کے مقام پر پہنچے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں تمام حجاج کرام اس مقام سے جدا ہوتے تھے۔ یہ ایک چوراہہ تھا۔ اور اس مقام سے لوگ اپنے اپنے علاقوں کو چلے جاتے تھے۔ مدینے والے مدینہ چلے جاتے، مصر والے مصر کو روانہ ہوتے اور عراق والے عراق کے لئے غازم سفر ہوتے۔ تمام حجاج کرام یہاں پر اکٹھے آتے اور یہاں سے اپنے اپنے راستے پر چل پڑتے۔

اسی مقام پر جبرائیل امین علیہ السلام پروردگار کی طرف سے پیغام لے کر پیغمبر اکرم ﷺ پر نازل ہوئے۔ اور آپ پر یہ آیت نازل ہوئی:

يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك وان لم تفعل فما
يلغت رسالته والله بعصمك من الناس۔

[سورہ مائدہ: ۶۷]

”اے رسول ﷺ! جو آپ پر نازل کیا گیا اس کو لوگوں تک پہنچائیے۔ اگر آپ نے اس کام کو سرانجام نہ دیا، تو پھر آپ نے اپنی رسالت کو حد کمال تک نہ پہنچایا۔ لوگوں سے کسی قسم کا خوف کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔“

پیغمبر اکرم ﷺ پر پروردگار کی طرف سے پیغام پہنچ چکا تھا کہ علی علیہ السلام کا تعارف بطور اپنا جانشین کرائیں۔ آپ کی نبوت و رسالت کے بعد ان کی اطاعت و پیروی

لوگوں پر بطور ولی واجب و لازم ہے۔

حضرت نے حکم دیا کہ جو لوگ غدیر خم سے آگے نکل چکے ہیں وہ واپس آ جائیں اور چل چلاتی ہوئی دھوپ میں پیغمبر کی اقتداء میں نماز ظہر ادا کریں۔ پھر اس کے بعد آپ نے بلند آواز میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا:

”اے لوگو! خداوند نے مجھے خبر دی ہے کہ جب کسی پیغمبر کی عمر پہلے پیغمبر کی نصف عمر کے برابر ہو جائے تو وہ اسے اپنی طرف بلا لیتا ہے، مجھے بھی خداوند تعالیٰ کی طرف جلدی بلا لیا جائے گا اور مجھے لیک کہنا ہوگا۔ اگر مجھ پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے تو پھر تم سب پر بھی کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ پس تم کیا کہو گے؟“

کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اپنی رسالت کو ہم تک پہنچایا، آپ لوگوں کے خیر خواہ تھے۔ آپ نے ساری عمر جہاد و دفاع میں گزاری، خداوند تعالیٰ آپ کو اس عظیم محنت شاقہ کا صلہ دے۔

آنحضرت ﷺ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا:

”کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ سبحانہ، کی ذات وحدہ لا شریک ہے، اور محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ﷺ ہیں۔ بہشت و جہنم اور موت حق ہے، اور روز قیامت یقینی ہے، اور اس روز خداوند تعالیٰ تمام لوگوں کو قبروں سے دوبارہ زندہ اٹھائے گا؟“

کہنے لگے: جی ہاں! ہم گواہی دیتے ہیں۔ فرمانے لگے: خدا یا گواہ رہنا۔
پھر فرمانے لگے:

”اے لوگو! کیا میری آواز سن رہے ہو؟“

کہنے لگے: ”جی ہاں!“

آپ نے فرمایا، تا وقت کہ میری ثقلین کے ساتھ حوض کوثر پر ملاقات ہو، اور تم مجھے وہاں پر ملو، میں دیکھتا ہوں کہ تم میری ثقلین کے ساتھ کس طرح سلوک کرتے ہو؟ ایک فرد دور سے صدا بلند کر کے عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ! ثقلین سے آپ کی کیا مراد ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا:

الثقل الاکبر کتاب اللہ، طرف بید اللہ عزوجل
وطرف بائدیکم، فتمسکوا به لا تضلوا، والاخر
الاصغر عترتی وان اللطیف الخیر نبانی انهما
لن یفترقا حتی یردا علی الحوض فلا تقد موہما
فتهلکوا ولا تقصروا عنهما فتهلکوا۔

”وہ ثقل بزرگ و سنگین کتاب خدا ہے کہ اس کی ایک طرف خدائے لم یزل کے ہاتھ میں ہے اور دوسری طرف تمہارے ہاتھ میں ہے، پس تمہیں اس سے تمسک رکھنا چاہیے تاکہ تم گمراہ نہ ہونے پاؤ۔ اور دوسری ثقل اصغر میری اہل بیٹ و عترت ہے۔ پس لطیف و خیر ذات نے مجھی خبر دی ہے کہ یہ دونوں ”قرآن و اہل بیٹ“ کبھی بھی آپس میں جدا نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھے آن ملیں گے، پس تم ان سے آگے نہ بڑھنا، وگرنہ ہلاک ہو جاؤ گے، اور نہ ہی ان سے دور رہنا وگرنہ پھر بھی ہلاک ہو جاؤ گے۔“

آنحضرت ﷺ نے اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا۔ آپ نے ہاتھ کو اتنا بلند کیا کہ دونوں محترم افراد (رسول ﷺ و علی علیہ السلام) کی بظلوں کی

سفیدی نظر آنے لگی تمام لوگوں نے حضرت علیؑ کو رسول ﷺ کے ہاتھوں میں ہاتھ دیتے ہوئے دیکھا، اور انہوں نے آنکھیں کھول کھول کر رسول ﷺ و علیؑ کو دیکھا۔

پس آپؐ نے الہی پیغام کا اعلان اس طرح کرنا شروع کیا:

اے لوگو! علیؑ کے ساتھ مؤمنین میں سے کس کی نسبت سزاوارتر ہے؟ لوگ

کہنے لگے: خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا:

”خداوند میرا مولا ہے، اور میں مؤمنین کا مولا و سردار ہوں۔ اور میں ان

مؤمنین سے زیادہ بہتر و سزاوار ہوں۔“ پس جس کا میں مولا ہوں اس کا

علیؑ مولا و سردار ہے۔“

آپؐ نے اس جملہ کی تین مرتبہ تکرار کی۔ امام احمد بن حنبل نے ذکر کیا ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے اس جملہ کو چار دفعہ دہرایا۔“

پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

”خدا تو اس کو دوست رکھ، جو علیؑ کو دوست رکھے اور تو اس سے دشمنی

رکھ، جو علیؑ سے دشمنی رکھے اور تو اس کی مدد کر جو اس کی مدد کرے اور

جو علیؑ سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کو ذلیل و رسوا کر، حق والوں کو حق کی

طرف پھیر دے! جو لوگ اس جلسہ میں حاضر ہیں وہ دوسرے لوگوں کو اس

کی کاروائی کی خبر دیں جو اس میں شریک نہیں ہیں۔“

ابھی لوگ منتشر نہ ہوئے تھے کہ دوبارہ جبرائیلؑ نازل ہوئے اور اس آیت

کو آپؐ تک پہنچایا:

اَلۡیَوْمَ اٰكَمَلْتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتَمَمْتُ عَلَیۡکُمۡ نِعْمَتِیۡ

وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا

[سورہ مائدہ آیت ۳]

”آج ہم نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا ہے اور تم پر تمام نعمت کر دی

ہے اور اسلام کو رہتی دنیا تک ایک آئین کامل بنا دیا ہے۔“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”اللہ اکبر کہ میری رسالت اور

علی علیہ السلام کی ولایت کے ابلاغ پر اکمال دین اور تمام نعمت اور خوشنودی پروردگار حاصل ہو گئی ہے۔

اس کے بعد لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا کہ جو گروہ درگروہ حضرت علی علیہ السلام کی

طرف آرہے تھے، کہ جو آپ کو اس منصب ولایت و خلافت پر مبارک باد پیش کر رہے

تھے، اور ان کے آگے آگے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر تھے، جنہوں نے کہا اے

ابوطالب کے لعل! تجھے مبارک ہو کہ تو آج سے ہمارا بھی مولا بن گیا اور تمام مومنین اور

مومنات کا مولا بن گیا۔“

معروف شاعر حسان بن ثابتؓ نے پیغمبرؐ سے اجازت طلب کی کہ وہ اس خوشی

کے مقام پر قصیدہ پڑھنا چاہتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس کو اجازت دے دی اور آپؐ نے فرمایا:

اے حسان! چونکہ تیرے اشعار ہماری حمایت میں تیری زبان پر جاری ہوں گے

لہذا یہ تائید روح القدس ہوں گے۔

حسان نے مشہور قصیدہ جھوم جھوم کر پڑھا۔

يُنَادِيهِمْ يَوْمَ الْغَدِيرِ نِيْهِم

بِخَمِّ فَاَسْمَعُ بِالرَّسُوْلِ مَنَادِيَا

فقال فمن مولاكم ونيكم
فقالوا ولم يبدوا هناك الثعابين
الهك مولانا وانت نينا
ولم تلق منافى الولاية عاصياً
فقال له قسم يا على فاني
رضيتك من بعدى اماماً وهادياً
فمن كنت مولا ه فهذا وليه
فكونوا له اتباع صدق مواليا
هنالك دعاء: اللهم وال وليه
وكن للذي عادى علياً معادياً

پس غدیر کے روز، ان کے پیغمبر ﷺ نے انہیں نداوی کہ تم اپنے پیغمبر ﷺ کی ندا کو دل و جان سے سنو۔ آپ نے کہا، تمہارا نبی و پیغمبر اور مولا کون ہے؟ لوگوں نے اسے تجاہل عارفانہ سمجھ کر جواب دیا آپ کا پروردگار ہمارا مولا ہے اور آپ ہمارے پیغمبر ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ مسئلہ ولایت و امامت سے ہم میں کوئی نافرمانی نہ کرے گا۔

پھر آپ نے علی علیہ السلام سے کہا کہ یا علی علیہ السلام اٹھو، پس تم میرے بعد لوگوں کے ہادی و رہنما اور امام علیہ السلام ہو۔

پس جس کا میں مولا ہوں، اس کا علی علیہ السلام مولا ہے، اے لوگو! تم علی علیہ السلام کی صحیح طریقے سے بیروی و اتباع کرنا، اور اس کی ولایت کو قبول کرنا۔

پھر آنحضرت ﷺ نے ایک دعا کی اور آپ نے فرمایا: ”اے خدا یا

تو اس سے دوستی رکھ جو علیؑ سے دوستی رکھے! اور تو اس سے دشمنی و عداوت رکھ، جو علیؑ سے عداوت رکھے۔“

[قاریین کرام! داستان غدیر خم کو تمام اہل سنت کی معتبر کتابوں میں نقل کیا گیا ہے]

یہ داستان غدیر کا مختصر خلاصہ ہے کہ روز غدیر حضرت علیؑ کی شان میں دو آیات نازل ہوئیں۔ اور آنحضرت ﷺ نے کس شان و شوکت اور اہتمام سے امیر المومنینؑ کا تعارف کروایا ہے؟ آپ توجہ کریں کہ آنحضرت ﷺ نے ”حجۃ الوداع“ کے موقع پر ایک اہم جگہ کا انتخاب کیا اور آپ نے وہاں پر اپنے اصحاب اور حاجیوں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ کڑکتی دھوپ میں رسول ﷺ نے اعلان کیا۔ گرمی کی حدت اس قدر زیادہ تھی کہ حاجیوں کے لئے گرمی دبال جان بنی ہوئی تھی۔ نبی اکرم ﷺ کے اعلان پر آگے والے لوگ پیچھے آگئے۔

آپؐ کا اپنے اصحاب اور رشتہ داروں سے علیؑ کی ولایت و امامت اور اپنے جانشین و وصی ہونے کی گواہی لینا مقصود تھی، آپؐ نے فقط گواہی پر ہی اکتفاء نہ کیا، بلکہ آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ تم علیؑ علیہ السلام کو اس عہدہ جلیلہ پر متمکن ہونے پر مبارک باد دو۔

لوگوں نے گروہ درگروہ حضرت علیؑ کو عہدہ جلیلہ (امامت) پر متمکن ہونے پر ہدیہ تبریک پیش کیا۔ اور آپؐ نے دیکھا کہ ہدیہ تبریک پیش کرنے میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر آگے آگے تھے۔

استاد! یہ روایت اس قدر طولانی ہے یقیناً یہ شیعہ کتابوں میں ذکر ہوئی ہوگی؟
اگر میں اس روایت کو شیعہ کتابوں سے نقل کروں، تو آپ کے لئے اس کی کوئی

اہمیت نہ ہوگی، بلکہ لطف کی بات یہ ہے کہ اس روایت غدیر کو ”۱۱۰“ اصحاب اور ۸۳ تابعیوں نے نقل کیا ہے اور ”۳۶۰“ افراد آئمہ حدیث و تفسیر نے اپنی اپنی کتابوں میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔ استاد نے بڑے تعجب اور حیرانی سے ان کتابوں کے ڈھیر پر ہاتھ مار کر کہا:

یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں مسائل اخلاقی تو بیان کیے ہیں، لیکن اس موضوع کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا ہے؟ مجھے نہیں معلوم کہ تم صحیح کہہ رہے ہو یا نہیں؟ لیکن تم نے یہ صحیح کہا ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے حضرت علیؑ کو تبریک و تہنیت پیش کی ہے۔ اگر تیرے لئے ممکن ہے تو اس روایت کے مصادر کو نقل کر؟

مصادر روایت مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ احمد بن حنبل اپنی مسند میں، ج ۴ اور ص ۲۸۱ پر۔
- ۲۔ شہرستانی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ملل و نحل میں۔
- ۳۔ مناقب خوارزمی، ص ۹۴ پر۔
- ۴۔ تفسیر کبیر فخر رازی ج ۳، ص ۶۳۶۔
- ۵۔ ابن اثیر نے اپنی کتاب النہایہ کی ج ۴ ص ۲۳۶ پر۔
- ۶۔ تفسیر طبری میں ابن جریر طبری ج ۳، ص ۴۲۸ پر۔
- ۷۔ خطیب بغدادی ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہوئے ص ۲۳۲ پر۔
- ۸۔ عزالی اپنی کتاب سر العالمین کے، ص ۹ پر۔
- ۹۔ کنجی شافعی نے کفایۃ الطالب کے ص ۱۶ پر۔
- ۱۰۔ ابن الجوزی اپنے تذکرہ میں، ص ۱۸ پر۔

[مرحوم آیت اللہ خمینی قدس سرہ نے اپنی کتاب ارشمنہ "الغدیر" میں ۱۶۰ اسناد اور اختلاف الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے اہل سنت کے بڑے بڑے بزرگ مفسرین اور حفاظ نے واقعہ غدیر میں "شیخین" کی تدریک کی گواہی دی ہے]

البتہ آپؐ نے جو اخلاقی مطالب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ "خطبہ حجۃ الودع" تھا نہ کہ "غدیر خم" بلکہ آپؐ نے روز عرفہ وہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ البتہ آپؐ کے اس خطبہ میں کوئی نئی سفارشات نہ تھیں، بلکہ آپؐ کی وہ وصایا تھیں کہ جنہیں رسول خدا ﷺ نے مختلف موقعوں اور مناسبات پر ارشاد فرمایا تھا، لیکن روز عرفہ آپؐ نے ان کی تاکید فرمائی تھی۔

استاد! تم نے جو "داستان غدیر" کو نقل کیا ہے کیا اس کے تمام مصادر سنی تھے یا دوسرے مصادر بھی نقل کیے گئے ہیں؟

میرا ہدف فقط داستان غدیر کو نقل کرنا تھا۔ البتہ حدیث اور تفسیر کی مختلف کتابوں میں گونا گوں راویوں سے اس داستان کو نقل کیا گیا ہے، لیکن بعض نے پوری تفصیل "Detail" کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ اور بعض نے فقط ولایت علیؑ کے اعلان کو بیان کیا ہے۔ بہر کیف اہل سنت کی تمام معتبر کتابوں میں تمام مطالب نقل ہوئے ہیں۔ اور واقعہ غدیر حد تو اتر تک پہنچا ہے۔ یہاں پر فقط تین مورد کی طرف اشارہ کروں گا۔

امام نسائیؒ اپنی کتاب خصائص میں زید بن ارقم سے اس طرح رقم طراز ہیں:

”جب رسول خدا حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر مدینہ کی طرف لوٹ رہے تھے، کہ سرہ غدیر خم کے مقام پر آپؐ نے حکم جاری کیا کہ تمام لوگ درختوں کے نیچے اکٹھے ہو جائیں۔

پھر ان کے درمیان یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

میں عنقریب خدا کی دعوت کو لبیک کہوں گا، اور میں تمہارے درمیان دو قتلین کو

چھوڑے جا رہا ہوں، جو ایک دوسری سے بزرگ ہے۔ ایک کتاب خدا (قرآن) اور دوسری میری عمرت (اہل بیت) ہے۔ پس میں دیکھتا ہوں کہ تم کس طرح ان دو سے سلوک کرتے ہو؟ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ یہ حوض کوثر پر مجھے آن ملیں گے۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

”کہ خداوند میرا مولا ہے اور میں ہر مومن کا مولا ہوں۔ پھر آپ نے حضرت علیؑ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں پکڑا اور فرمایا: جس جس کا میں مولا ہوں، اس اس کا علی مولا علیؑ ہے۔ خداوند! تو اس سے دوستی رکھ جو علیؑ کو دوست رکھتا ہے۔ اور تو اس سے دشمنی رکھ، جو علیؑ سے دشمنی رکھتا ہے۔“

ابو الطفیل کا کہنا ہے کہ میں نے زید سے کہا! کیا تو نے رسول مقبول ﷺ کے کلام کو خود اپنے کانوں سے سنا ہے؟ کہنے لگا جی ہاں! میں نے سنا ہے بلکہ تمام ان انسانوں نے سنا ہے کہ جو درختوں کے نیچے آنحضرت ﷺ کی گفتگو سننے کے لئے جمع تھے۔ انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے پیغمبر کو اعلان ولایت (علیؑ) کرتے ہوئے دیکھا۔

[خصائص نسائی ص ۱۰۰]

امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں زید بن ارقم سے اس طرح نقل کرتے ہیں: پیغمبر اکرم ﷺ یومئذ ”درہ خم“ کے پاس آئے۔ آپ نے نماز پڑھنے کا حکم دیا، اور آپ نے نماز ظہر کی امامت فرمائی، پھر آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت ایک چادر درخت پر آویزاں کر دی گئی کہ جو آنحضرت ﷺ کے سر مبارک پر سایہ فگن تھی، تاکہ تمازت آفتاب آپ کے چہرہ مبارک کو زیادہ نقصان نہ پہنچائے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے ہو؟ کیا تم گواہی نہیں دو گے کہ میں ہر مومن کی نسبت اس کے رشتہ

داروں سے زیادہ لائق اور اولیٰ ہوں؟ سب نے آپ کے سوال پر مل کر

کہا، جی ہاں!

آپ نے فرمایا: کہ جس کا میں مولاد سردار ہوں علیؑ اس کے مولا ہیں،
بارالہا! تو اس کو دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اور تو اس سے دشمنی
رکھ، جو علیؑ سے دشمنی رکھتا ہے۔

[مسند احمد بن حنبل ج ۴، ص ۳۱۲]

طبرانی اپنی معجم الکبیر میں زید بن ارقم اور حذیفہ غفاری سے نقل کرتا ہے کہ پیغمبر

نے غدیر خم کے روز درختوں کے نیچے اس طرح خطبہ ارشاد فرمایا:

”اے لوگو! میں تم میں سے جلدی خداوند تعالیٰ کی طرف جانے والا

ہوں۔ مجھ پر اور تم پر ایک مسئولیت و ذمہ داری ہے تم اس سلسلہ

میں کیا کہتے ہو؟

لوگوں نے جواب دیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اپنے پروردگار کا

پیغام ہم تک پہنچا دیا ہے۔ آپ نے جہاد کی راہ اختیار کی اور ہمیں آپ

نے راہ ہدایت دکھائی، خدا آپ کو جزائے خیر دے۔“

پھر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

کیا تم گواہی دیتے ہو کہ خدا ایک ہے اور محمد اس کا بندہ اور رسول ﷺ

ہے، بہشت حق ہے، جہنم حق ہے، موت حق ہے۔ اور موت کے بعد

دوبارہ اٹھنا حق ہے۔ اور قیامت یقیناً آئے گی۔ اس میں کسی قسم کا شک

دشمن نہیں ہے کہ پروردگار عالم روز قیامت تمام لوگوں کو دوبارہ قبروں سے

زندہ کرے گا؟

اے لوگو! خداوند تعالیٰ میرا مولا ہے، اور میں مومنین کا مولا ہوں اور میں

ان کی جانوں پر زیادہ سزاوار ہوں۔ پس جس کا میں مولا ہوں، اس کا یہ

علیؑ مولا ہے۔ بارالہا! تو اس کو دوست رکھ جو علیؑ کی ولایت کا

قائل ہو اور تو اس سے دشمنی رکھ جو علیؑ کا دشمن ہے، اور تم مجھے حوض کوثر پر ملو گے۔

اے لوگو! میں تم سے جدا ہونے والا ہوں، اور وہ حوض میری دیدگاہ کی وسعت سے لے کر یمن تک وسیع ہوگا۔ جب تم مجھ تک پہنچ پاؤ گے، میں تو تم سے دو گراں بہا اور سنگین چیزوں کے متعلق سوال کروں گا۔ اور میں تم سے پوچھوں گا کہ میرے بعد ان دو (قرآن اور اہل بیت علیہم) سے تم نے کیا سلوک روارکھا؟ ان دو میں سے ایک نقل اکبر ہے وہ کتاب خدا ہے کہ جس کی ایک طرف خداوند تعالیٰ سے ملی ہوئی ہے اور دوسری طرف تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ پس تم اسی سے تمسک رکھنا، تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ، اور تمہارا دین کجروی اختیار نہ کر جائے۔

البتہ نقل دوم میری عترت و اہل بیت علیہم ہے۔ خداوند تعالیٰ نے مجھے خیر دی ہے کہ یہ دونوں ہرگز ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ یہ حوض کوثر پر مجھے آن ملیں گے۔

استاد! میرے ذہن میں ابھی ایک سوال پیدا ہوا ہے، کہ حضرت علیؑ جانتے تھے کہ حق آپ کے ساتھ ہے، اور آپ کے کہنے کے مطابق کہ خلافت کے حق دار دوٹوں یا شورئی سے نہیں بنتے، بلکہ یہ ایک عہدہ جلیلہ ہے کہ جس کا رسول خدا ﷺ نے مختلف مقامات پر بحکم الہی اعلان کیا تھا، اور آپ نے مختلف موقعوں پر اس کی طرف اشارہ کیا تھا کہ میرا جانشین علیؑ ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علیؑ نے حضرت کی بیعت کیوں کی؟ اور اپنے حق سے دست بردار کیوں ہوئے؟ جب کہ وہ اس پر زیادہ حق رکھتے تھے؟ آپ کی شجاعت و بہادری خاص و عام کی زبان پر تھی۔ آپ کو کسی کا خوف اور ڈر نہ تھا۔ پس آپ نے کیوں اپنے حق کا دفاع نہ کیا؟

اسی وقت بیرٹڈ کی گھنٹی بج گئی اور اس کا جواب دوسری بحث پر موقوف ہو گیا۔

حضرت علیؑ نے اپنے حق کا دفاع کیوں نہ کیا؟

اس روز ہماری بحث ختم ہوئی تو میں گھر چلا گیا اور اس کا سوال میرے ذہن میں گھومنے لگا کہ اس نے صحیح کہا کہ ”علیؑ نے اپنے حق کا دفاع کیوں نہ کیا؟ آپؑ نے ان کی مخالفت کیوں نہ کی۔ آپؑ نے ذوالفقار حیدری سے ان سے کھلی جنگ کیوں نہ کی؟ آخر آپؑ اشجاع شجاعان تھے۔

اور آپؑ کا خود کہنا ہے کہ:

”اگر عرب کے لوگ میرے ساتھ جنگ کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ تو میں اس وقت تک میدان جنگ سے حرکت نہ کروں گا، یہاں تک کہ تمام پرکاری ضرب نہ لگالوں۔“

سب سے پہلے میں نے حضرت کے کلام سے اپنے سوال کا جواب پایا۔ ہماری بحث کا آغاز بدھ کے روز ۱۸/۱۹۶۸ء کو ہوا، احوال پرسی کے بعد پچھلی بحث کو مقدمہ کے طور پر دہرایا گیا اور استاد کے سوال کا جواب دینا شروع کیا اور میں نے کہا:

آپؑ نے کہا کہ حضرت علیؑ نے اپنے حق کا دفاع کیوں نہ کیا؟ جب کہ وہ خلافت کو اپنا مسلمہ حق سمجھتے تھے، اور آپؑ کے کہنے کے مطابق، خدا نے آپؑ کو یہ حق دیا تھا، آپؑ کو کسی نے عطیہ یا بخشش نہ کیا تھا، آپؑ کے سوال کا جواب عرض خدمت ہے:

اقتافاً حضرت علیؑ احقاق حق سے ہرگز ہرگز دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ آپؑ آخر روز تک اپنے حق کا دفاع کرتے رہے۔ اگر آپؑ قیام نہ کرتے تو اس وقت کے سیاستدانوں کی سیاست کی انتہا تک نہ

پہنچتے، اور اصل دھاندلی کا پتہ نہ چلتا۔

(۱) واضح ہے کہ حضرت علیؑ ہرگز ریاست طلب نہ تھے، آپؑ کو اس چیز کی فکر نہ تھی کہ ہائے میرے ہاتھ میں حکومت و اقتدار کی زمام کیوں نہ آئی۔ اور میں کرسی اقتدار پر متمکن کیوں نہ ہوا۔ جب حضرت علیؑ کے پاس ظاہری خلافت آگئی تھی تو آپؑ نے عبداللہ بن عباس سے فرمایا تھا کہ ”تمہاری یہ حکومت علیؑ کی پیوند لگی ہوئی جوتی کے برابر نہیں ہے علاوہ اس کے کہ اس حکومت و اقتدار کے ذریعے اثبات حق کروں، اور ابطال باطل کروں، پس حضرت علیؑ کو حکومت کا لالچ نہ تھا، کہ آپؑ پر غم و غصہ کی کیفیت طاری ہو جاتی، آپؑ شہور و صدا بلند کرتے کہ ہائے میرے حق خلافت پر تم نے غاصبانہ قبضہ جمایا ہے۔ یہ حق تو میرا ہے؟ بلکہ اس سے آپؑ کا ہدف فقط کتب اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرنا تھا۔ آپؑ نے اپنی بالبعیرت نگاہوں سے دیکھ لیا تھا کہ اس سے کتب اسلام کی زیادہ خدمت کی جاسکتی ہے، لہذا آپؑ نے قیام کیا۔ اگر خدا نخواستہ آپؑ کے ہدف میں اقتدار کا حصول ہوتا آپؑ اس کے لئے سردھڑکی بازی لگا دیتے اور اگر حضرت علیؑ کی نگاہ میں اس خلافت کی کوئی ارزش ہوتی اور آپؑ کی خواہش ہوتی کہ میں اس کو حاصل کر کے رہوں گا۔ تو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ حضرت علیؑ علیہ السلام خلافت حاصل نہ کر پاتے، اور میں باور نہیں کر سکتا کہ حضرت علیؑ کی نگاہ میں اس کی کوئی قدر تھی۔ اس لئے حضرت علیؑ کی نگاہ میں اس اقتدار کی کوئی ارزش نہ تھی۔

(۲) اگر حکومت وقت کی مخالفت کرنا غرض تھی، اور اس کی بیعت نہ کرنا مقصود تھا، تو پھر آپؑ نے ہر دو کام کیے۔ آپؑ نے مخالفت کا پرچم بلند کیا اور آپؑ نے خلیفہ وقت کو علی الاعلان غاصب قرار دیا۔ اور اس وقت عمر بن خطابؓ ہاتھ میں تازیانہ لے کر مخالفین کو دھمکی دے رہے تھے، اور لوگوں کو ڈرا دھمکا رہے تھے۔ لیکن اسد اللہ

الغالب علیٰ کل غالب علیٰ علیہم کو کسی کے تازیانے کا ڈرتھا اور نہ ہی آپ راہِ حق میں قتل ہونے سے ڈرتے تھے۔ لہذا حضرت علیؑ نے غاصبانہ خلافت کی کھل کر مخالفت کی تھی، کیونکہ یہ خلافت طاقت کے ذریعہ حاصل کی گئی تھی نہ فقط مولائے کائنات نے مخالفت کی، بلکہ مہاجرین و انصار میں سے بڑے بڑے بزرگ صحابہ کرام نے بھی مخالفت کی تھی اور وہ خلافت کو حضرت علیؑ کا حق سمجھتے تھے، اور انہوں نے اس انداز پر ڈٹ کر احتجاج کیا، اور کیا کھلے بندوں مخالفت کی۔

استاد! اگر آپ کے لئے ممکن ہو تو ضرور ان اشخاص کے (علیؑ اور آپ کی اہل بیت علیہم کے علاوہ) نام بتائیے، جنہوں نے اس کی مخالفت کی؟



اصحاب رسولؐ نے سقیفہ سازش کی کھل کر مخالفت کی

عباس بن المطلبؓ، ابوذر غفاریؓ، عمار یاسرؓ، مقداد بن اسود کندیؓ، سلمان فارسیؓ، حزیمہ بن یمانؓ، حذیفہ ذوالشہادتینؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابوہشیم بن تہیانؓ، سہل بن حنیفؓ اور ان کے بھائی عثمان بن حنیفؓ اور ابویوب انصاریؓ کے علاوہ بڑے بڑے بزرگ اصحاب رسولؐ نے (جن کے ابھی مجھے نام یاد نہیں ہیں) مخالفت کی، البتہ اتنی مقدار میں بڑے بڑے اصحاب اور قریش کے سرداروں کی مخالفت کرنا ہی کافی ہے، کیونکہ ان بزرگواروں نے رسول اکرم ﷺ کی زبان پاک سے کئی موقعوں پر سن رکھا تھا، کہ آپ نے علیؑ کو اپنے بعد اپنا خلیفہ و جانشین اور وصی قرار دیا ہے۔

سہل بن حنیف تو بڑی پامردی اور شہامت کے ساتھ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے پاس گئے، جب کہ اس وقت ان کے پاس دو بڑے بڑے اصحاب موجود تھے۔ انہوں نے کہا:

اے گروہ قریش! میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے کانوں سے مسجد میں سنا تھا، جب کہ آپ نے حضرت علیؑ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا اور آپ نے ارشاد فرمایا تھا:

”اے لوگو! یہ علیؑ تمہارا امام علیہ السلام میری زندگی کے بعد ہے، اور میری زندگی میں ہی میرا وصی ہے، اور میری زندگی کے بعد بھی۔ اس نے میرا فرض ادا کیا ہے

اور ہمارے وعدوں کو پورا کرے گا، اور یہ پہلا شخص ہوگا جو حوضِ کوثر پر میرے ساتھ مصافحہ کرے گا۔ پس وہ شخص خوش قسمت ہے کہ جس نے علیؑ کی اطاعت و پیروی کی اور اس سے دوستی کی۔ افسوس ہے اس شخص پر جس نے علیؑ سے دشمنی مول لی، اور اس دشمنی کی وجہ سے وہ ہلاک ہوگا۔“

ابویوب انصاری بڑی دلیری اور بہادری سے لوگوں سے کہنے لگے:

”اے بندگانِ خدا! تم خدا کے قہر و غضب سے ڈرو، اور اپنے رسولؐ کے اہل بیتؑ سے دور مت ہو اور ان کے حق کو پورا کرو جو ان کے پروردگار نے حق دیا ہے۔“

اسی طرح تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے کہ سلمان، ابوذر، مقداد، اور عمار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کسی ایک نے خطاب فرمایا، اور انہوں نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ولایتِ علیؑ کی حمایت کی۔ لیکن یہ تعداد بہت کم تھی۔ حضرت علیؑ اس کم تعداد سے نہیں چاہتے تھے کہ حکومتِ وقت کے خلاف قیام کریں۔ لہذا آپؑ اس مخالفت کی وجہ سے تین ماہ یا چھ ماہ کے لئے خانہ نشین ہو گئے، اور آپؑ نے اس وقت تک گوشہ نشینی اختیار کئے رکھی جب تک جناب زہراء سلام اللہ علیہا کا جنازہ نہ اٹھا، کیونکہ اس وقت وضعیت تبدیل ہو گئی تھی کہ آپؑ گھر سے باہر آنے پر مجبور ہو گئے تھے اور آپؑ نے حکومت کے ساتھ حفظِ مصالحِ اسلام کی خاطر صلح کر لی۔

④ امیر المؤمنین علیؑ کا مخالفت کرنے سے ہدف یہ تھا کہ آپؑ اس واقعہ کو مسلمانوں کے دار الخلافہ تک محصور کرنا چاہتے تھے، اور اس کو شہر سے باہر نہ لے جانا چاہتے تھے۔ اگر آپؑ نے اپنے حقِ خلافت کا مطالبہ کیا تھا تو اس لئے کہ آپؑ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی رہبری و حکومت کے لئے راہِ پیغمبرؐ اسلام کا انتخاب کیا جائے،

اور آپؐ اسلامی حکومت کو رسول خدا ﷺ کے عطا کردہ سنہری اصولوں پر چلانے کے خواہش مند تھے، لیکن جب آپؐ نے دیکھا کہ مخالفت دارالخلافت سے آگے بڑھ چکی ہے اور مدینہ النبی ﷺ سے خارج ہو گئی ہے، اور بعض لوگ دین کی خاطر نہیں بلکہ اسلام اور قرآن کی نابودی کے لئے مخالفت کر رہے ہیں، اور آپؐ نے اپنی عقابلی نگاہوں سے بھانپ لیا تھا کہ یہ لوگ اسلام کو کمزور کرنے پر تلے ہوئے ہیں، منافقین اور مرتدین اسلام کو شکست دینے کے لئے ہر روز نئے حیلے اور بہانوں کا تانا بانا بن رہے ہیں، جب حضرت نے دیکھا کہ مخالفت کرنے کا کوئی دوسرا ہدف نہیں تو آپؐ شوکت اسلام کا شیرازہ نہ بکھرنے کی وجہ سے اپنے حق خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ لہذا امام معصومؑ نے یہ بھی ایثار و قربانی دے دی، اور یہ ایثار حضرت علیؑ سے بعید نہ تھا، بلکہ آپؐ نے تو راہ خدا میں اس سے بڑھ کر قربانیاں دیں۔ حضرت علیؑ نے دیکھا کہ اگر اس کے بعد بھی آپؐ نے حکومت کی مخالفت کی تو مرتد اور بے دین لوگ دین اور حکومت اسلامی کی نابودی کے درپے ہیں۔ لہذا آپؐ نہ صرف اپنے حق سے دست بردار ہو گئے، بلکہ آپؐ نے شعائر اسلامی کو مضبوط کیا اور آپؐ اسلام مخالفت قوتوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہو گئے اور آپؐ نے دشمنان اسلام کی سرکوبی کی۔

استاد! وہ کون لوگ تھے جنہوں نے اپنی خواہشات نفسانی کی خاطر علم مخالفت کو بلند کیا؟
 مسیلمہ کذاب اور اس کی قوم یمامہ میں، طلحہ بن خویلد، قبیلہ بنی غطفان، قبیلہ طی، کنانہ اور دوسرے بہت زیادہ اعرابی جنہوں نے حکومت اسلامی کی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے مخالفت کا علم بلند کیا۔ البتہ یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ بعض مومنین میں سے جیسے مالک بن نویرہ اور اس کے قبیلہ نے ابو بکر کے کارندوں کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، کیونکہ ان کے علم میں تھا کہ حضرت علیؑ حکومت کے مخالف ہیں اور

چونکہ وہ حضرت علیؑ کے طرف دار تھے، لہذا انہوں نے ابو بکر کو زکوٰۃ نہ دی۔ انہوں نے اس لئے زکوٰۃ سے انکار نہ کیا تھا کہ یہ مرتد ہو گئے تھے اور زکوٰۃ دینے کے عقیدہ کے لحاظ سے منکر ہو گئے تھے۔ البتہ بعض تاریخوں میں اس طرح پیش کیا گیا ہے، لیکن اس پر اپنی جگہ بحث کرنے کی ضرورت ہے۔ یہاں مناسب نہیں ہے۔

بہر حال حضرت علیؑ کی نگاہ میں اسلام سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہ تھی، اس روز آپ نے اسلام کی خاطر حکومت وقت سے مخالفت مول لی۔ اور اس کے بعد اسلام اور وطن اسلامی کی خاطر، خود ساختہ حکومت والوں کا ساتھ دیا۔ اور ان کے ساتھ مل کر مرتدین اور مخالفین اسلام جیسے مسیلحہ، طلحہ اور دوسرے قبائل کے ساتھ جنگ لڑی۔ اور آپ نے اس سلسلہ میں خود ارشاد فرمایا:

فلما مضى رسول الله عليه وآله تنازع
المسلمون الا مرمن بعده، فوالله ما كان يلقي
فى روعى، ولا يخطر ببالى ان العرب تزعج هذا
الا مرمن بعده، صلى الله عليه وآله۔ عن اهل
بيته، ولا انهم منحوه عنى من بعده! فما راعنى
الا نثيال الناس على فلان يبايعونه، فامسكت
يدى حتى راى راحة الناس قد رجعت عن
الاسلام يدعون الى محق دين محمد صلى الله
عليه وآله۔ فخشيت ان لم انصر الا سلام واهله
ان ارى فيه ثلما او هدا ما تكون المصيبة به على

اعظم من فوت ولايتكم التي انما هي متاع ايام
 قلائل يزول منها ما كان كما يزول السراب ،
 او كما يتشبع السحاب ، فتهضت في تلك
 الاحداث حتى زاح الساطل وزهق ، واضمان
 الدين وتنهنه۔ [رسالہ ۶۲ نہج البلاغہ

صبحی الصالح]

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رحلت فرما گئے، تو آپ کے بعد
 مسلمانوں میں خلافت کے سلسلہ میں اختلاف ہو گیا۔

آپ دیکھتے کہ حضرت، اساس دین کی حفاظت کی خاطر اپنے حق سے دست
 بردار ہو گئے، نہ یہ کہ آپ حکومت وقت کے خلاف قیام کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے،
 اور نہ یہ کہ آپ کے دل میں ان کا تھوڑا سا بھی خوف تھا۔

ادھر حضرت علی علیہ السلام کے خلاف مختلف قسم کے پروپیگنڈے کرنے میں حکومت کی
 مشینری متحرک تھی اور حضرت پر سخت فشار تھا۔ اگر آپ اپنے حق (جو حق الہی ہے اور
 آپ کو نہ مل سکا) کا مطالبہ کرتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ علی علیہ السلام کو حکومت کی حرص ہے،
 اور اگر خاموشی سے بیٹھ جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ علی علیہ السلام موت سے ڈر گئے، لہذا صبر
 اور خاموشی کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ آپ نے اپنے خطبہ شمشہیہ میں ”جو نج
 البلاغہ کے تیسرا خطبہ ہے“ تفصیل سے اس بارے میں گفتگو ہے:

اما والله لقد تقمصها بن ابی قحافة وانه ليعلم ان
 محلى منها محل القطب من الرحي، ينحدر
 عنى السيل ولا يرقى البى الطير، فسدت

دونها ثوبا وطويت عنها كسحا، وطفقت
ارتاي ين أن أصول بيد جذاء او اصير على
طخية عمياء، يهرم فيها الكبر ويشيب فيها
الصغير، ويكدح فيها مومن حتى يلقي ربه،
فرايت ان الصبر على هاتا احجى، فصبرت وفي
العين قدى وفي الحلق شحى، ارى ترائى نهيا
،حتى مضى الاول لسيله، فادلى بها الى ابن
الخطاب بعده ثم تمثل يقول الاعشى شتان
مايومى على كورها يوم حيان اخى جابر فيا
عجبا، بينا هو يستقيلها فى حياته، اذ عقدها لآ
خر بعد وفاته لشد ماتشظرا أضر عينا، فصير
هافى حوزة خشناء، يغلظ كلمها ويخشن
مسها، ويكثر العثار فيها والا اعتدار منها، فضا
حيها كراكب الصعبة، ان اشقى لها خرم وان
اسلس لها تقحم، فمنى الناس - لعمر الله -
نختا ونساس، وتلون واعتراض، فصبرت على
طول المدة، وشدة المحنة - خطبه شقشقيه - سومين .

[خطبه نهج البلاغه]

”خدا کی قسم! فرزند ابوقحافہ (ابوبکر) نے پیرا بہن خلافت پہن لیا، حالانکہ وہ

میرے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکلی کے اندر اس کی کیلی کا ہوتا ہے۔ میں وہ کوہ بلند ہوں جس پر سے سیلاب کا پانی گزر کر نیچے جاتا ہے، اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ (اس کے باوجود) میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا، اور اس سے پہلو تہی کر لی، اور سوچنا شروع کیا کہ اپنے کئے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس سے بھیا تک تیرگی پر صبر کروں؟ جس میں سن رسیدہ بالکل ضعیف اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اور مومن اس میں جدوجہد کرتا ہوا اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ مجھے اس اندھیر پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا۔ لہذا میں نے صبر کیا، حالانکہ آنکھوں میں (غبار و اندوہ کی) خلش تھی، اور حلق میں (غم ورنج کے) پھندے لگے ہوئے تھے۔ میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت ابن خطاب کو دے گیا۔ پھر حضرت نے بطور تمثیل اعلیٰ کا یہ شعر پڑھا:

”کہاں یہ دن جو نازقہ کے پالان پر کھتا ہے، اور کہاں وہ دن جو حیان برادر
جابر کی صحبت میں گزرتا تھا؟“

تجرب ہے کہ وہ زندگی میں تو خلافت سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا، لیکن اپنے مرنے کے بعد اس کی بنیاد دوسرے کے لئے استوار کرتا گیا۔ بے شک ان دونوں نے سختی کے ساتھ خلافت کے تھنوں کو آپس میں بانٹ لیا۔ اس نے خلافت کو ایک سخت و درشت شکل میں رکھ دیا۔ جس کے چر کے کاری تھے۔ جس کو چھو کر بھی درشتی محسوس ہوتی تھی۔ جہاں بات بات میں ٹھوکر کھانا اور پھر عذر کرنا تھا جس کا اس سے سابقہ پڑے وہ ایسا ہے جیسے سرکش اونٹنی کا سوار کہ اگر مہار کھینچتا ہے تو (اس کی منہ زوری سے اس کی ناک کا درمیانی حصہ ہی شگافتہ ہوا جاتا ہے جس کے بعد مہار دینا ہی ناممکن ہو جائے گا۔“

جی ہاں! اسی روز عمر حضرت علیؑ پر ابو بکر کی بیعت کے لئے دباؤ ڈالتا ہے، لیکن یہاں پر امیر المؤمنین علیؑ، عمر کے اصلی ارادہ کو بھانپ چکے تھے۔ آپ نے عمر سے کہا:

”تم نے اس کے دوش بدوش اپنا حصہ دودھ کا حاصل کیا، اور آج اس کے کار کے لئے سخت گیری کرو اور اس کے کام کو تمام کرنا کہ وہ کل تیرے حوالے خلافت کر جائے۔“ [الامامة والسياسة، ابن قتيبة ج ۱، ص ۱۸]

استاد! یہ جو تم نے کہا ہے کہ عمر بن خطاب نے حضرت علیؑ پر دباؤ ڈالا، تاکہ آپ حتمی طور پر بیعت کریں، یہ تاریخ کہتی ہے یا تم اپنی طرف سے احتمال کر رہے ہو؟ میں اس موضوع سخن پر زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتا، کیونکہ تاریخ نے اپنے سینہ میں ضبط کیا ہے کہ مسلمانوں نے اہل بیت رسول ﷺ کو کس طرح مشکلات و مصائب سے دوچار کیا ہے، اور اس قسم کے مطالب جہاں انسان کو پریشان اور متاثر کرتے ہیں، وہاں پر یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کے لئے ابھی جلدی ہو، شاید آپ ابھی اس قسم کے مسائل سننے کے متحمل نہ ہوں، معذرت کے ساتھ، اگر آپ مسلمانوں کی تاریخ کو کھول کر دیکھیں تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس وقت ان لوگوں نے علیؑ و زہراءؑ پر اس قسم کے ظلم و ستم کیے کہ شاید حضرت علیؑ نے ساری عمر میں اس قسم کے ظلم و ستم اور سختی نہ دیکھی ہو جیسے حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ علیؑ کے گھر پر ہجوم کر دیا جائے۔ اور خانہ ولایت کو نظر آتش کر دیا جائے، جو بھی گھر میں موجود ہو اس کو جلا دیا جائے۔ یادہ آ کر ابو بکر کی بیعت کریں، جب عمر یہ کہہ چکا تو اس وقت رسول ﷺ کی لاڈلی بیٹی فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا جو گھر پر موجود تھیں جواب دیتی ہیں:

”یہاں تک کہ علیؑ و فاطمہؑ بھی اگر خانہ میں موجود ہوں۔“

تاریخ کو چھوڑ دیجئے، خود حضرت علیؑ نے اس امر کے متعلق تصریح بیان کی ہے۔ معاویہ کے نامہ کے جواب میں اس طرح لکھتے ہیں:

وقلت انى كنت اقاد كما يقاد الحمل
المخشوش حتى ابايع، ولعمر الله لقد اردت ان
تدم فمدحت، وان تفضح فافتضحت وما على
السلم من غضاضة فى ان يكون مظلوماً ماله
بكر ساكافى ديه وال مرتانا بيقينه۔

[سبح البلاغہ، کتاب ۲۸]

جی ہاں! حضرت علیؑ تاریخ اسلام کے ایسے عظیم بطل جلیل ہیں کہ جن کی شجاعت کی مانند تاریخ نے کسی اور کو نہیں دیکھا، جب کہ آپ اپنی مظلومیت اور حاکم وقت کے جلال و شوکت کی مخالفت کا اظہار فرما رہے ہیں۔ آپ بیعت کے لئے مسجد میں خود چل کر نہیں جاتے۔ آپ کو بزور طاقت بیعت کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں حضرت علیؑ خانہ نشین ہو جاتے ہیں، اور آپ ان کی محافل و مجالس میں ہرگز شرکت نہیں کرتے۔ تا وقتیکہ آپ نے اسلام کی لئے خطرہ محسوس کر لیا۔ تو اس روز حیدر کراڑ پھر میدان میں آ جاتے ہیں۔ اور آپ کا قیام فقط دین خدا کی خدمت تھا۔ اس وقت حضرت علیؑ پیچیدہ اور علمی مشکلات کا حل پیش کر رہے ہیں کہ جن کی خلفاء میں سکت نہ تھی۔ آپ لوگوں کو جواب دے رہے ہیں، آپ نے اپنے آپ کو حریم مقدس اسلام کے لئے آمادہ کر لیا۔ حضرت علیؑ قرآن کا دفاع کر رہے ہیں۔ لوگوں کو احکام الہی کی تعلیم دے رہے ہیں۔ اور آپ پیغام اسلام کو دنیا تک پہنچا رہے ہیں۔ آپ حدیث کی صحیح طریقہ اور منبع و مصادر اصلی پر تدوین کر رہے ہیں، اور آپ قرآن کی جمع بندی اور تفسیر فرما رہے ہیں۔

اگر لوگ ان روایات کو جان بوجھ کر چھوڑ رہے ہیں یا تجاہل عارفانہ کر رہے ہیں کہ جو روایات رسول خدا ﷺ ولایت علی اور ان کی جانشینی کے لئے ارشاد فرمائی تھیں۔ لیکن علم و دانش علی علیہ السلام سے چشم پوشی تو نہیں کر سکتے۔ لہذا لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور منبر سلونی کے قاری سے اپنے مسائل پوچھتے اور خلفاء بھی اسی طریق سے حضرت علی علیہ السلام سے احساس خطر نہ کرتے تھے۔ کیونکہ علی علیہ السلام فتاویٰ دین اور قضاوت کرنے میں مشغول تھے۔ اور آپ کا سیاست سے کوئی سروکار نہ تھا، اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی علیہ السلام کے سامنے کئی مرتبہ اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کا اعلان کیا ہے۔

لَوْلَا عَلِيٌّ لَهْلَكَ عُمَرُ-

”آج اگر علی علیہ السلام نہ ہوتے عمر ہلاک ہو جاتا۔“

کئی دفعہ مسجد میں اعلان کیا گیا کہ:

لايفتى احدكم فى المسجد وعلی حاضر۔

”تم میں سے کوئی بھی مسجد میں فتویٰ مت دے جب حضرت علی علیہ السلام

حاضر ہوں۔“

استاد! اگر تمہارے لئے ممکن ہو تو ایک دو مورد بیان کیجئے کہ خلفاء نے حضرت

علی علیہ السلام سے مراجعہ کیا ہو؟



لَوْلَا عَلِيٌّ لَهْلَكَ عُمَرُ

ایک حاملہ عورت کو حضرت عمر کی کچھری میں پیش کیا گیا کہ اس نے زنا کا اقرار کیا تھا۔ حضرت عمر نے فوراً اسے سنگساری کا حکم دیا۔ سپاہی اس پر سنگساری کرنے کے لئے لے جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت علیؑ نے دیکھا کہ اس عورت کو سپاہی لے جا رہے ہیں۔

حضرت علیؑ نے حکم دیا کہ اسے واپس لے چلیں، جب وہ حضرت عمر کے پاس پہنچ گئے آپ نے عمر سے پوچھا کہ تیرے پاس کون سی اس کے خلاف دلیل قاطع ہے کہ اس کے شکم میں جنین ہے؟ تم ایسا مت کرو، اس جنین کو اذیت مت دو اور اس سے تم ڈرو؟

حضرت عمر نے کہا:

اتفاقاً ایسا ہو گیا ہے!

حضرت علیؑ نے فرمایا: کیا تم نے سخن رسول مقبول ﷺ کو نہیں سنا کہ آپؐ نے فرمایا:

”اگر کوئی شکبیجہ و خوف سے اعتراف کرے، اس پر حد جاری نہیں ہو سکتی، اسی طرح اگر کوئی زندان میں، یا تمدید و دھمکی کے ذریعہ یا مار پیٹ کی وجہ سے اعتراف کر لے تو اس کا یہ اعتراف ارزش نہیں رکھتا۔ اس وقت حضرت عمر نے کہا:

عزت النساء ان تلدن مثل علی بن ابی

طالب، لولا علی لہلك عمر۔

[مناقت خوارزی ص ۴۸، ریاض النظرہ، ج ۲ ص ۱۹۶ ذخائر العقبیٰ ص ۸۰ مطالب السنول، ص ۱۳ اربعین فخر رازی ص ۱۴۶]

”دنیا کی عورتیں علیؑ جیسا عظیم انسان پیدا کرنے سے عاجز ہیں، اگر آج علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔“

دوسرے مقام پر اس کی مانند بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؑ اس وقت داخل ہوتے ہیں، کہ جس وقت ایک حاملہ عورت کو سنگساری کے لئے لے جایا جا رہا تھا۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ واقعہ کیا ہے؟

وہ عورت مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ یا علیؑ مجھے سنگساری کے لئے لے جا رہے ہیں۔ حضرت علیؑ نے عمر کی طرف رخ کر کے کہا اس عورت کے لئے سنگساری کا حکم تم نے کیوں دیا ہے؟ اگر تمہیں اس پر طاققت حاصل ہے تو جو اس کے شکم میں ہے اس پر تو ہرگز طاققت نہیں رکھتا۔ عمر نے کہا ”ہر وہ شخص جو مجھ سے زیادہ فقیہ اور سمجھ دار ہے وہ علیؑ ہے“ اس جملہ کی تین بار تکرار کی۔“ حضرت علیؑ نے حکم دیا کہ اس عورت کو اس وقت تک زندان میں رکھا جائے جس وقت تک یہ بچہ جنم نہیں لے لیتا۔ پھر اس کے بعد اس کو سنگسار کر دیا جائے۔

[ریاض النظرہ محب الدین طبری، ج ۲، ص ۱۹۶ ذخائر العقبیٰ، ص ۸۱ کفایہ حافظ کنجی، ۱۰۰]

آپ ملاحظہ کریں کہ یہاں پر سنگساری کا حکم دیا جا چکا تھا، کیونکہ اس نے خود بغیر کسی شکنجہ اور دباؤ کے اعتراف گناہ کیا تھا، لیکن چونکہ وہ حاملہ تھی، اس لئے حضرت علیؑ نے حکم دیا تھا کہ اتنے عرصہ تک صبر کیا جائے جب تک اس کا بچہ دنیا میں نہ آجائے۔

دوقریش کے افراد ایک عورت کے پاس آتے ہیں اور اس کے پاس سودینار امانت کے طور پر رکھ دیتے ہیں کہ ہم میں سے کسی ایک کو پیسے نہ دیں، یہاں تک کہ ہم دونوں اکٹھے باہم نہ آجائیں۔

ایک سال گزر گیا۔ ان میں سے ایک شخص اس عورت کے پاس آیا اور کہتا ہے کہ میرا دوست فوت ہو گیا ہے۔ ہماری امانت تو مجھے دے دے۔ اس عورت نے پیسے دینے سے انکار کر دیا، یہاں تک کہ وہ دوسرا شخص نہ آئے۔ اس شخص نے اس عورت کے لئے پریشانی پیدا کر دی اور اپنی زوجہ کو کئی دفعہ اس کے پاس بھیجا، یہاں تک کہ وہ عورت امانت دینے پر مجبور ہو گئی۔

ایک سال اور گزر گیا کہ دوسرا شخص اس عورت کے پاس آیا اور امانت طلب کی۔

اس عورت نے اس سے کہا کہ تیرا دوست میرے پاس آیا تھا اور اس نے دعا کیا تھا کہ تو دنیا سے چل بسا ہے، میں نے سارے پیسے اسے واپس کر دیئے۔

اس مرد نے حضرت عمر کے پاس شکایت کی۔ حضرت عمر نے اس عورت سے کہا کہ اے عورت! تو ضامن ہے لہذا اس کو پیسے واپس پلٹا۔

عورت کہنے لگی کہ تجھے خدا کی قسم میرا فیصلہ تم نہ کرو۔ مجھے علی علیہ السلام بن ابی طالب علیہ السلام کے حوالہ کر دو، کہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ کریں۔

حضرت عمر نے ان دونوں کو حضرت علی علیہ السلام کے پاس بھیج دیا۔ حضرت علی علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ دونوں افراد عورت کو فریب دے رہے ہیں۔ آپ نے اس مرد کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا کیا تم نے امانت رکھتے وقت یہ نہ کہا تھا کہ ہم دونوں کو اکٹھے امانت واپس کرنا تم نے شرط لگائی تھی کہ ہم میں سے کسی ایک کو امانت نہ دینا۔ ابھی تک

کچھ نہیں بگڑا! تمہارے پیسے میرے پاس ہیں، جاؤ اپنے دوسرے دوست کو لے آؤ۔ تاکہ تم دونوں کو اکٹھے پیسے واپس کیے جائیں۔ وہ شخص گیا پھر واپس نہ آیا، جب حضرت علی علیہ السلام کے فیصلے کا عمر کو پتہ چلا تو اس نے کہا:

”اللہ مجھے فرزند ابوطالب کے بعد زندہ نہ رکھے۔“

[ریاض نظر، ج ۲، ص ۱۹۷. تذکرہ سبط ابن جوزی، ص ۸۷. ذخائر العقبی

ص ۸۰. مناقب الخوارزمی، ص ۶۰. کتاب الاذکیاء ابن جوزی، ص ۱۸]

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب کئی مشکل مسائل میں گرفتار تھے کہ ان سے چھٹکارے کے لئے کوئی راہ نہیں نکل رہی تھی۔ حضرت عمر نے اصحاب پیغمبر ﷺ کو جمع کیا اور ان کے سامنے اپنی مشکل کو بیان کیا اور کہنے لگے۔ میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں کہ ان مشکلات سے چھٹکارا پانے کا طریقہ کیا ہے؟ سب کہنے لگے کہ آپ ہم سے زیادہ سمجھ دار اور مسائل میں وارد ہیں، لوگ تو آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں، ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟ حضرت عمر ناراض ہو کر کہنے لگے کہ خدا کے خوف سے ڈرو اور میرے سوال کا صحیح جواب دو۔ سب نے اس کے جواب میں کہا یا امیر المؤمنین ہم اس سوال کا جواب اور اس مشکل کا حل نہیں جانتے۔ اس مطلب کی گروہ کشائی کے لئے ہمارے پاس کوئی حل نہیں ہے۔

حضرت عمر کہتے ہیں! خدا کی قسم ایک شخص ہے جو مشکلات کو حل کرنا جانتا ہے۔ اس کی طرف اسی وقت جاؤ تاکہ وہ مشکلات علمی کا حل پیش کرے۔ کہنے لگے۔ کیا تمہاری اس شخص سے مراد فرزند ابوطالب علیہ السلام ہے؟

حضرت عمر کہتے ہیں: جی ہاں، خدا کی قسم اس کی خدمت میں چلتے ہیں، کیونکہ کسی ماں نے بھی اس جیسا بچہ پیدا نہیں کیا؟ اٹھو اس کی طرف چلیں۔

لَوْلَا عَلِيٌّ لَهْلَكَ عُثْمَانُ

حافظ عاصمی نے اپنی کتاب زین الفتی میں ابو بکر محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان کے پاس آیا ”اس وقت حضرت عثمان خلیفہ تھے۔“ اور حضرت عثمان کے ارد گرد لوگوں کا جم غفیر تھا۔ اس شخص نے کہا کہ خلیفہ! تم کہتے ہو کہ اس طرح آگ عارض ہوگی اور قبر میں اس سے عذاب ہوگا۔ میں ابھی آپ کے سامنے آتش پر ہاتھ رکھتا ہوں، مجھے اس کی حرارت و تپش چھو بھی نہیں سکتی، چہ جائے کہ وہ آتش جلا دے؟

عثمان اس کا جواب نہ دے سکے تو ایک شخص کو علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی تلاش میں بھیجا کہ وہ امیر المؤمنین کو لے کر خلیفہ کے پاس آئے۔ جب حضرت علی علیہ السلام ان لوگوں کے ہمراہ تشریف لے آئے، تو حضرت عثمان نے اس شخص سے کہا کہ اپنا سوال دوبارہ دہراؤ، اس شخص نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا اور عثمان نے حضرت علی علیہ السلام سے درخواست کی کہ

”یا ابالحسن! آپ اس کا جواب دیجئے۔“

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے ایک سنگ اور آتش روشن کرنے والا پتھر دیجئے۔ سائل اور دوسرے حاضرین پریشان ہو گئے کہ حضرت علی نے آتش زنہ اور سنگ کو طلب کیا ہے،

حضرت علی علیہ السلام نے ان دونوں کو آپس میں مارا اور اس سے آگ روشن ہو گئی۔

پھر آپ نے ان دونوں کو علیحدہ کر دیا اور اس شخص سے کہنے لگے، کہ اپنے ہاتھ کو اس سنگ سے گزارو، کیا تمہیں آگ کی حرارت محسوس ہوتی ہے؟
وہ شخص کہنے لگا: نہیں! پھر آپ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کو اس آتش کے اوپر سے گزارو کہ اب تمہیں آگ کی، حرارت محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟ وہ شخص بہوت ہو گیا اور اس کے چہرے پر خجالت و شرمندی کے آثار ظاہر ہو گئے۔ اس وقت حضرت عثمان نے کہا:

لَوْ لَا عَلَيَّ الْهَلَكُ عُثْمَانَ -

”کہ اگر آج علی نہ ہوتے تو عثمان ہلاک ہو جاتا۔“

[نقل بہ کتاب الغدير، ج ۸، ص ۲۱۴]



پناہ بہ خدا، کہ جس جگہ پر میں تو ہوں اور تم نہ ہو

ابوسعید خدری کا بیان ہے کہ ہم عمر بن خطاب کے ہمراہ حج کے لئے خانہ خدا گئے، حضرت عمر طواف کر رہے تھے کہ عمر نے ”حجر اسود“ کی طرف رخ کر کے کہا میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے کہ جس کا کوئی فائدہ اور نقصان نہیں ہے، نہ تجھ سے کوئی فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی تو کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے، اگر میں رسول اللہ ﷺ کو چومتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں ہرگز تیرے بوسے نہ لیتا، پھر انہوں نے اس کو چوما۔

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام اس وقت طواف میں مشغول تھے، انہوں نے عمر سے کہا: اے عمر! یہ سنگ نقصان بھی پہنچاتا ہے اور نفع بھی۔

خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ
وَأَشْهَدَهُمْ

”اس روز کو یاد کرو، جب تیرے پروردگار نے پشت بنی آدم سے اس کی ذریت سے لیا اور ان سے اپنی گواہی لی کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟“

[سورہ اعراف آیت ۱۷۲]

تمام کہنے لگے جی ہاں! ہم تیری خداوندی کی گواہی دیتے ہیں، پس روز قیامت کہنا کہ ہم اس واقعہ سے بے خبر تھے۔ جب انہوں نے اقرار کیا کہ وہ ہمارا پروردگار اور

خدا ہے، اور یہ سارے اس کے بندے ہیں۔ اس اقرار کو ایک کاغذ پر لکھ دیا گیا، اور اس اقرار نامہ کو حجر اسود میں لٹکا دیا گیا، اور یہ سنگ اسی طرح قیامت کے روز دو آنکھوں، دو لبوں اور زبان سے اٹھایا جائے گا، اور وہ لوگ جنہوں نے اس وعدہ کو پورا کیا ہوگا اور اس کے سچے بندے ہوں گے۔ یہ ان کی صداقت کی گواہی دے گا کہ انہوں نے واقعاً ہی وعدہ کو پورا کیا ہے، پس یہ سنگ قرآن کی نظر میں آمین خدا ہے۔

عمر کہنے لگا: خداوند! مجھے اس سرزمین پر نہ رکھنا جہاں علی ابن طالب نہ ہو، اور بعض کتابوں میں ذکر ہوا ہے کہ عمر نے کہا:

کہ خداوند! مجھے اس قوم کے درمیان نہ رکھ جہاں علی علیہ السلام ان کے درمیان نہ ہو۔



لَوْلَا عَلِيٌّ لَهْلَكَ عُمَرُ

حضرت عمر ایک ایسی عورت کو سنگسار کرنا چاہتے تھے کہ جس کا بچہ چھ ماہ کا تھا۔
حضرت علیؑ نے حضرت عمر سے کہا کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے:
و حملہ و فصالہ ثلاثون شهراً
”کہ اس کا حاملہ ہونا اور دودھ پلانے کا عرصہ ۳۰ ماہ ہے۔“
اور پھر ارشاد ہوتا ہے۔

و فصالہ فی عمین۔
”پس فصالہ دو سال ہوئے“ اور دودھ پلانے کا عرصہ دو سال کا ہوا۔ عمر
نے اس عورت کو رہا کر دیا اور کہا:
لَوْلَا عَلِيٌّ لَهْلَكَ عُمَرُ۔
”کہ اگر آج علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔“

[مستدرک حاکم، ج ۱، ص ۴۵۷]

اور ابن الجوزی نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کہتے ہیں:
”خداوند تعالیٰ مجھے اس وقت زندہ نہ رکھے جب علیؑ سے میری کوئی
مشکل حل نہ ہو جائے۔“

[جامع الکبیر سیوطی ج ۳، ص ۳۰، ارشاد الساری قسطلانی، ج ۳، ص ۱۹۵
سیرہ عمر ابن اجوزی ص ۱۰۶ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳، ص
۱۲۲ (۲) سنن الکبریٰ، ج ۷، ص ۴۴۲، ریاض النظرہ ج ۲، ص ۱۹۴، تفسیر
فخر رازی ج ۷، ص ۴۸۴، مناقب خوانزمی، ص ۵۷، درالفتور سیوطی، ج ۱، ص
۲۸۸، کنز العمال، ج ۳، ص ۹۶، ذخائر العقبیٰ، ص ۸۲، کفایۃ الکنجی، ص ۱۰۵]

شخصِ فتنہ کو دوست رکھتا ہے اور حق سے متنفر ہے

حذیفہ بن یمان، عمر بن خطاب کے پاس آیا۔

حضرت عمر نے اس سے پوچھا کہ اے فرزندِ یمان! تم نے کیسے صبح کی؟
حذیفہ کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے صبح اس حال میں کی کہ مجھے حق سے نفرت ہے اور فتنہ سے مجھے دوستی ہے اور جو چیز میں نے نہیں دیکھی اس کی گواہی دینے کو، اور بغیر وضو کے ”صلوٰۃ“ بجالانے کو، اور میں زمین پر وہ چیز رکھتا ہوں جو کہ خدا آسمان پر نہیں رکھتا۔ حضرت عمر غصہ سے سرخ ہو گئے۔ اسے رہا کر دیا لیکن عمر نے اپنے دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ حذیفہ کو اس کا مزا چکھاؤں گا۔ کہ اس نے اس طرح کی گفتگو کیوں کی ہے۔ مگر اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے اسی غیض و غضب کی حالت میں عمر حضرت علیؑ کا پاس پہنچتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے ان کی آنکھوں میں غصہ کو دیکھ لیا تھا اور آپ نے کہا:

اے عمر تجھے کیا ہو گیا ہے؟

حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں نے حذیفہ سے پوچھا تم نے صبح کیسے کی؟ کہنے لگا کہ اس حالت میں جب کہ مجھے حق سے نفرت ہے۔

حضرت علیؑ فرمانے لگے اس نے صبح کہا ہے، کہ موت حق ہے اور وہ موت کو پسند نہیں کرتا، اور وہ اس سے خوش نہیں ہوتا۔

حضرت عمر کہنے لگے: یا علیؑ اس کا کہنا ہے کہ وہ فتنہ سے خوش ہوتا ہے۔

حضرت علیؑ کہنے لگے، اسی طرح ہی ہے! وہ مال والے سے خوش ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا ارشاد پاک بھی ہے۔

سبیل سکینہؑ

انما اموالکم واولادکم فتنہ۔

”کہ تمہارے اموال واولاد فتنہ ہیں۔“ حیدرآباد ولیف آباد، پرنٹ نمبر ۸-۵۱

عمر کہنے لگے یا علی! اس کا کہنا ہے کہ میں اس چیز کی گواہی دینا پسند کرتا ہوں کہ جس کو میں نے نہیں دیکھا!

حضرت علیؑ کہتے ہیں وہ خدا کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے، موت کی، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی، قیامت کی، جنت ودوزخ کی، پل صراط کی اس نے کسی ایک بھی نہیں دیکھا حضرت عمر کہنے لگا کہ اس نے بغیر وضو کے صلوٰۃ کا دعویٰ کیا ہے۔

پھر عمر کہنے لگے کہ یا ابا الحسن! اس نے ایک تو بڑی بدکلامی کی ہے کہ میں زمین میں وہ چیز رکھتا ہوں جب کہ خدا آسمان میں نہیں رکھتا۔

حضرت علیؑ نے کہا اس نے صحیح کہا ہے کہ وہ بیوی رکھتا ہے، اس کے بچے ہیں جب کہ خداوند تعالیٰ کبھی ذات ان چیزوں سے منزہ ہے۔

”حضرت عمر نے کہا اگر آج علیؑ نہ ہوتے عمر ہلاک ہو جاتا۔“

[حافظ کنجی اپنی کفایت میں ص ۹۶، ابن الصباغ مالکی، اپنی فصول المہمۃ

میں ص ۱۸ پر شیلنجی اپنی نور الابصار کے ص ۷۹ پر]



اپنی نادانیوں کو سنت سے دور کرو

ایک عورت کو حضرت عمر کے پاس لایا گیا جس نے عدت کے دوران ہی دوسرے شخص سے شادی کر لی تھی عمر نے اس عورت سے مہر لے کر بیت المال میں جمع کروادیا، اور ان دونوں کو جدا کر دیا، اور حضرت عمر نے حکم کر دیا کہ یہ دونوں ہرگز اکٹھے نہ ہوں، اور ان دونوں کو ڈنڈے مارے گئے، اور ان پر عقاب کیا گیا۔

حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ جس طرح تم نے حکم صادر کیا، شریعت اسلامیہ میں اس طرح اس کا حکم نہیں ہے، کیونکہ وہ مرد جاہل اور نادان تھا، اس کو مسئلہ کا علم نہیں تھا، لہذا یہ کام نادانی کی وجہ سے اس سے سرزد ہوا ہے، یہ سزا اور ڈنڈوں کا مقام نہیں ہے، البتہ ان دونوں کو جدا کر دیا جائے، اور یہ عورت پہلے شوہر کی عدت پوری کرے، اور پھر دوسرے کی عدت کو پورا کرے، چونکہ اس دوسرے شخص نے اس سے ہم بستری کی ہے لہذا مہر اس کی طرف پلٹا دو، عمر نے حمد و ثنائے الہی بجالانے کے بعد لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔

”اے لوگو! اپنی جہالتوں اور نادانیوں کو سنت رسول ﷺ سے دور کرو۔“

اسنن الکبریٰ بیہقی ج ۷، ص ۴۴۱، ریاض النظرہ ج ۲ ص ۱۹۶، ذخائر العقبیٰ ص ۸۱ تذکرۃ البسط و ۸۷، مناقب خوارزمی ص ۱۰۷

میرے گواہ رہنا کہ عمر نے ایک بہت بڑا اشتباہ کیا کہ ایک مسلمان کا حق مہر اس کی عورت سے لے کر بیت المال میں جمع کر دیا اور ان کو سزا دی، اور ان پر تازیانے

برسائے، میں اعتراف کرتا ہوں کہ اصل منبع و مصدر سنتِ رسول ﷺ ہے، اور اس حکم کو علی علیہ السلام سے دریافت کیا ہے۔ جب عمر بن خطاب خلیفہ بنے تو یہودی علماء کا گروہ ان کے پاس آیا اور انہوں نے کہا اے عمر! آپ چونکہ محمد ﷺ کے بعد لوگوں کے ولی امر ہیں، ہم آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتے ہیں۔

اگر آپ نے جواب دے دیئے تو ہم سمجھیں گے کہ اسلام اور محمد ﷺ حق پر ہیں اور اگر آپ ولی امر مسلمین جواب نہ دے سکے تو ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ اسلام باطل پر استوار ہے اور محمد ﷺ پیغمبر نہیں ہیں!

عمر کہتے ہیں: جو تمہارے جی میں آتا ہے وہ پوچھو۔

کہنے لگے: ہمیں بتائیے کہ آسمان کے تالے اور چابیاں کہاں ہیں؟

ہمیں بتائیے کہ وہ کون سی قبر تھی جو اپنے مردے کو لے کر چل پڑی؟

ہمیں بتائیے کہ وہ کون سی چیز تھی جو اپنی قوم کو ڈرا رہی تھی جب کہ وہ نہ جنوں میں

تھی اور نہ ہی انسانوں میں۔ ہمیں یہ بتائیے کہ وہ کون سی پانچ چیزیں ہیں جو زمین پر

تو چلتی ہیں، البتہ وہ کسی رحم سے پیدا نہیں ہوتیں؟

راوی کا بیان ہے کہ حضرت عمر سر کو پکڑ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے:

عمر کے لئے یہ عیب نہیں ہے کہ اگر کوئی اس سے سوال پوچھے اور وہ نہ جانتا ہو

تو کہہ دے کہ میں نہیں جانتا ہوں۔

یہودی کہنے لگے، پس ہم گواہی دیتے ہیں کہ اسلام حق پر نہیں ہے اور محمد ﷺ

پیغمبر نہیں ہیں!

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ یہ جملہ سن کر فوراً اٹھے اور ان یہودی علماء سے کہتے

ہیں کہ ذرا حوصلہ کرو، اتنی جلدی حکم اور فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ابھی حقیقی

جانشین رسول ﷺ کو لاتا ہوں۔ فوراً سلمان جو ﷺ علی بن ابی طالب ﷺ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ جلدی سے مشکل کشاء کے گھر پہنچے اور کہتے ہیں یا علی ﷺ! اسلام کی داد و فریاد پہنچو۔ یا علی ﷺ! اسلام کی سلامتی کا مسئلہ ہے یہودی علماء خلیفہ کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ حضرت علی ﷺ سلمان جو ﷺ سے واقعہ پوچھتے ہیں کہ ہوا کیا ہے؟ سلمان جو ﷺ نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ حضرت علی ﷺ اس حالت میں مجلس میں وارد ہوتے ہیں جب کہ آپ کے دوش مبارک پر رسول اللہ ﷺ کی عبا تھی فوراً عمر اٹھتے ہیں، اور حضرت علی ﷺ کو ان یہودیوں کے سامنے بیٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں:

”یا ابا الحسن علیؑ! آپ میری ہر مشکل کو حل کرتے ہیں۔“

علی ﷺ اطمینان قلب سے یہودیوں کی طرف رخ انور کر کے کہتے ہیں کہ ”جو تم چاہتے ہو مجھ سے پوچھ لو کیونکہ پیغمبر ﷺ نے مجھے ہزار باب کی تعلیم دی ہے، اور ہر باب علم سے ہزار باب دوسرا پیدا ہوا ہے، (یعنی علی ﷺ کو پیغمبر ﷺ نے دس لاکھ باب کی تعلیم دی ہے)

انہوں نے نے دوبارہ ان سوالوں کو دہرایا۔

حضرت علی ﷺ ان کے جواب میں کہتے ہیں میں تمہارے سوالوں کے جواب دینے کے ساتھ ایک شرط لگاؤں گا، اور وہ یہ ہے کہ اگر میں تمہارے سوالوں کا جواب تمہاری تورات کے مطابق دوں، تو پھر تم حلقہ اسلام میں داخل ہو جانا۔ کہنے لگے ہمیں قبول ہے۔

مشکل کشاء علی ﷺ علم کے دریا بہاتے ہوئے فرمانے لگے کہ آسمانوں کے تالے خدا کے ساتھ شریک ہے، جب کوئی مرد یا عورت مشرک ہوں تو ان کے اعمال میں کوئی بھی عمل اور نہیں جاتا، البتہ آسمانوں کی چابی خدا کی وحدانیت اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی

رسالت کی گواہی دینا ہے۔

حضرت علیؑ کے اس جواب پر یہودی ایک دوسرے کی طرف نگاہ کر کے کہنے لگے علیؑ درست کہہ رہے ہے۔۔

وہ قبر جو اپنے صاحب کو لے کر چل پڑی، وہ اس مچھلی کا شکم ہے کہ جس کے شکم میں حضرت یونسؑ تھے، اور وہ مچھلی ساتھ دریاؤں کو پار کر گئی، جب کہ حضرت یونسؑ اس کے شکم میں تھے ”وہ چیز جس نے اپنی قوم کو ڈرایا، نہ وہ جن تھی اور نہ ہی انسان، وہ چیونٹی تھی کہ جس نے اپنی قوم کی دوسری چیونٹیوں سے کہا:

يا ايها النمل ادخلوا مسكنكم لا يحطمنكم سليمان

وحنوده وهم لا يشعرون۔ [سور نمل آیت ۱۸]

”اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ، تاکہ سلیمانؑ اور ان کا

لشکر تمہیں کہیں کچل نہ دے، جب کہ ان کے شعور میں نہ ہو۔“

”البتہ وہ پانچ چیزیں جو زمین پر چلتی ہیں اور کسی بھی رحم میں نہیں رہیں وہ یہ

ہیں۔ آدمؑ، ہوا، شتر صالح، گوسفند ابراہیمؑ اور عصا موسیٰؑ کہ جب وہ سانپ

بن جاتا تھا تو وہ زمین پر چلنے لگتا تھا۔“

منبر سلوئی کے خطیب، وارث علم نبیؐ حضرت علیؑ کے جواب پر یہودی

شرائط کے مطابق حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے، اور ان کی زبان پر ”شہادتین“ جاری

ہو گئیں۔ اور انہوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ:

”حقاً تمام امت سے اعظم و افضل ہیں۔“

[کتاب الوانف ابو اسحاق ثعلبی ص ۲۴۲]

اس طرح کی بہت زیادہ داستانیں ہیں کہ حضرت عمر کے زمانہ میں اتفاق ہوا کہ

ان علماء یہود و نصاریٰ نے ان سے سوال پوچھے، خلیفہ مختصہ کا شکار ہو گئے۔ ان تمام موارد کا ذکر کتب میں موجود ہے علی ابن ابی طالب علیہ السلام و قرآن اور حضرت محمد ﷺ کے دفاع کے لئے لئے اُتھ کھڑے ہوتے، اور ان کو جواب سے قانع کرتے اور اس سے اکثر لوگ مسلمان ہو جاتے۔ اور یہ داستانیں مختلف کتابوں میں ذکر ہوئی ہیں۔ فعلاً ہم انہی پر اکتفاء کرتے ہیں۔



پانچواں مناظرہ

تو پھر علیؑ جانشین رسول کیسے بنے؟

آج ہماری بحث شروع ہونے سے پہلے استاد پچھلی بحث پر گفتگو کرتے ہوئے کہنے لگے کہ جو تم نے حضرت علیؑ کے علم و دانش اور حکمت کے متعلق نقل کیا ہے کیا اس پر شیعہ دسی ہر دو نے اتفاق کیا ہے؟ کہ کیا کوئی بھی حضرت علیؑ کے عالم ہونے کا منکر نہیں؟ بہر کیف آپ کا علم و دانش میں زیادہ ہونا اس امر کا باعث نہیں بنتا کہ آپ خلیفہ ہوں، اور دوسرے آپ کی پیروی کریں، کیا تم نے یہ نہیں کہا کہ ہر مشکل کے وقت خلفاء آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، اور حضرت عمر نے کئی مقامات پر گواہی دی ہے کہ علیؑ بہت بڑے دانش مند تھے، اور وہ آپ سے مدد طلب کرتے تھے۔ کیا حکومت اسلامی کو ہر قسم کے گزند سے بچانے کے لئے یہی کافی نہیں ہے؟ کیا ضروری ہے کہ ایک خلیفہ اور مسلمانوں کے حاکم کے لئے تمام احکام و مسائل کا جانا ضروری ہو؟ وہ چاہتے تھے کہ ادارہ مملکت کو احسن طریقے سے چلایا جائے، اور اس کام کے لئے عمر کو کامیابی و کامرانی بھی ہوئی۔ البتہ آپ کا علیؑ کے علم و دانش کو بیان کرنا، اس سے آپ کی فضیلت اور بزرگی تو سمجھی جاسکتی ہے، لیکن یہ دلیل نہیں بنتی کہ آپ خلافت و حکومت اسلامی کے چلانے کے بھی زیادہ حق دار تھے؟

میں نے جواب دیتے ہوئے کہا پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی فضیلت فقط علم و دانش کے میدان میں منحصر نہیں ہے، بلکہ آپ کو تمام صفات اور کمالات

انسانی پردوسروں پر برتری حاصل ہے، وہ نہ فقط علم میں بلکہ شجاعت، زہد و تقویٰ، پارسائی و ورع، خیر خواہی، سخاوت غیرت، اور ایثار وغیرہ میں گویا، کہ آپ تمام صفات برجستہ الہی کا نمونہ تھے، اور آپ کو ان کمالات انسانی میں دوسروں سے برتری حاصل تھی۔ پروردگار عالم نے آپؐ میں وہ خوبیاں رکھی تھیں کہ جو دوسرے لوگوں میں وہ موجود نہ تھیں۔ وہ ایسی عظیم ہستی ہیں کہ جس کی حقیقت کو خدا اور اس کے رسولؐ کے علاوہ کوئی شناخت نہیں کر سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب یہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت علیؑ ایک ایسے عظیم انسان ہیں کہ جن میں تمام کمالات، اخلاق اور صفات انسانی درجہ کمال تک پائی جاتی ہیں، اور آپؐ کو تمام امت مسلمہ پر برتری حاصل ہے۔ آپؐ امور مملکت اور سیاست کے میدان میں دوسروں کی نسبت ید طولیٰ رکھتے تھے آپؐ علم رسولؐ کے وارث تھے۔ آپؐ شہر علم پیغمبرؐ کے باب تھے۔ آپؐ اپنے بھائی اور رسول خداؐ کے چشم کا نور تھے، آپؐ کا پیغمبر اسلامؐ نے کئی مقامات پر تعارف کروایا تھا کہ ”لوگو! یہ علیؑ میرے بعد وصی، خلیفہ اور جانشین ہے“ آپؐ کے خلیفہ رسول ہونے پر نصوص وارد ہوئی ہیں، کیا ان صفات و کمالات انسانی کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہونے والے انسان کو آپؐ جانشین مسد رسولؐ سے جدا رکھ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! تیسری بات یہ ہے کہ عقل سلیم کا اٹل فیصلہ ہے کہ جس انسان کو دوسروں سے ہر میدان میں برتری حاصل ہو، اور خصوصاً طور پر علمی میدان میں اس کا کوئی ثانی نہ ہو تو پھر اس کو لوگوں پر حکومت و ولایت کا حق ہے، کہ وہ حکومت اسلامی کی زمام پکڑے اور بنی نوع انسان کی رہبری و رہنمائی کرے۔

میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر حضرت علیؑ کی ولایت پر رسول اللہؐ

”الذول سے بخش کریں“ ﴿﴾

کی نص موجود نہ بھی ہوتی ”کہ آپ حضرت علی علیہ السلام کو پانی جانشینی کے لئے مقرر نہ بھی کرتے“ تو پھر بھی اس عہدہ جلیلہ کے منصب کیلئے علم علی علیہ السلام کافی تھا کہ بزرگان قوم اور بڑے بڑے صحابہ کرام اٹھتے اور حکومت کی زمام علی علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دیتے۔ کیونکہ خدا خود قرآن میں فرما رہا ہے:

قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون۔

”اے نبی کہہ دو، کہ کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟“

[سورہ زمر آیت ۹]

چوتھی بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی نص موجود ہے کہ جو شخص اپنے علم سے لوگوں کی زیادہ راہنمائی کرے، لوگوں کو حق کی شناخت کروائے اور ان کو جہالت کی وادیوں سے ہرنکالے تو پھر وہ زیادہ مستحق ہے کہ لوگ اس کی اطاعت و پیروی کریں، تاکہ وہ لوگوں کی ہدایت و راہنمائی کر سکے۔ جیسے کہ خداوند تعالیٰ کا ارشاد قرآن مجید میں موجود ہے۔

افمن يهدى الى الحق احق ان يتبع امن لا يهدى الا ان

يهدى فما لكم كيف تحكمون۔

پس ضروری ہے کہ لوگ آستانہ علیؑ پر جھکیں اور آپ کی اتباع و پیروی کریں، نہ کہ اس کے دروازے پر دستک دیں جو علم و دانش کا دعوے دار تو ہے لیکن اس کو حکم ”کلالہ“ کا بھی پتہ نہ ہو۔

یا لوگ اس سے ”وفکھة و ابا“ کا معنی پوچھیں اور اس کو ”ابا“ کے معنی کا علم نہ ہو۔

[سنن دارمی، ج ۲ ص ۳۶، تفسیر ابن جریر طبری ج ۶ ص ۳۰، جامع الکبیر

سیوطی ج ۶ ص ۲۰، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۶۰]

ان کتابوں اور حدیث کی دوسری کتابوں میں نقل ہوا کہ جب ابو بکر

سے ”کلالہ“ کے متعلق پوچھا گیا کہ تمہاری اس کے متعلق نظر کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا میں اپنی رائے سے کہوں گا، اگر صحیح ہوئی تو خدا کی طرف سے ہوگی اور اگر غلط ہوئی تو یہ

میرا اشتباہ ہوگا، اور شیطان کی طرف سے ہوگا، خدا اور اس کے رسول ﷺ اس سے بیزار ہیں۔

کیا مسلمانوں کے خلیفہ کی نادانی احکام اور آیات قرآن کے متعلق اس طرح ہونے چاہئے، کیا وہ لوگوں کے مسئلے حل کرے گا؟
یا وہ یہ کہے کہ:

”خدا مجھ پر ایسی کوئی مشکل نازل نہ کرے جب علی علیہ السلام ہم میں موجود نہ ہوں۔ لوگ عمر سے زیادہ فقیہ ہیں چونکہ اہل بیت علیہم السلام نے رسول خدا ﷺ سے علم حاصل کیا ہے، گویا کہ ان آئمہ اہل بیت اطہار علیہم السلام نے خدا سے علم حاصل کیا اور ان کو تمام امور زندگی اور مسائل علمی پرید طولی حاصل ہے اور یہ اللہ کی مقرب ہستیاں دلیل و برہان کی زبان میں گفتگو کرتی تھیں اور تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ یہ عالم ودانا تھے۔ ان کو دین و استدلال اور علم و عمل پر سب سے فوقیت حاصل ہے، اور حکم عقل کے مطابق اس دولت مقدسہ کی اجاع و پیروی لازمی ہے۔“

حضرت علی علیہ السلام شہر علم رسول ﷺ کا باپ ہیں، کس میں جرات ہے کہ وہ اس کی طرح ہو؟

حضرت علی علیہ السلام کتاب و سنت میں سب سے زیادہ عالم ہیں، اور اس حقیقت آشکارا کا تمام اصحاب اور بزرگان قوم نے اعتراف کیا ہے، کیا ایسے شخص کو خانہ نشین ہونے پر مجبور کیا جائے؟ اور دوسرے لوگوں کو جن کا علم نہایت ہی کم ہے۔ اور جنہوں نے وقتاً فوقتاً اپنی کم علمی کا اظہار کیا ہے، ان کو لوگوں پر مسلط کر دیا جائے اور وہ لوگوں پر حکومت کریں؟

کون عقل مند اس فیصلہ کو قبول کرے گا؟

آپ اس کو چھوڑیے خود حضرت نے کھلا اعتراف کیا ہے کہ حضرت علیؑ ہم میں بہتر فیصلہ اور تضاد کرتے ہیں۔

احلیۃ الاولیا ج ۱، ص ۲۵ طبقات ابن سعد ص ۴۵۹، ۴۶۰، ۳۶۱، اور ۸۶۰ استیعاب
ج ۴ ص ۳۸ تاریخ ابن عساکر ج ۲، ص ۳۲۵ الریاض النظرہ ج ۲، ص
۱۹۸ اور ۲۴۴ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۱۵

ابو بکر سے سوال کیا کہ، وفا کہتے "ابا" سے "رب" کے معنی کیا ہیں؟
تو اس نے جواب دیا کہ یہ ہے آسمان مجھ پر سیکنہ کرے اور زمین کو مجھ سے ہٹا لیا
جائے۔ کہ خدا کی کتاب کے متعلق ایک چیز ہے اور اس سے مجھے اطلاع نہ ہو۔

[تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۲۹، کشاف زمحشری ج ۲، ص ۲۵۲، دارالمنشور
سیوطی ج ۶ ص ۳۱۷ تفسیر ابن کثیر، ج ۱ ص ۱۰]

یعنی حضرت عمر نے فقط حضرت علیؑ کے علم کا اعتراف نہیں کیا ہے بلکہ انہوں
نے آپ کے حکومت چلانے اور فیصلہ کرنے کے انداز و روش کا بھی اعتراف کیا ہے۔
وہاں پر ایک مرد بھی موجود نہ تھا کہ جو عمر کو کہتا جب کہ فیصلہ اور تضاد تم سے بہتر
کرتا ہے تو پھر تم کس لئے لوگوں پر حاکم و قاضی مقرر ہو گئے ہو؟
کیا کوئی ایسا بھی شخص ہے کہ جو جانتا ہو اور کوئی ایسا بھی شخص ہے جو نہ جانتا ہو کہ
یہ دونوں مساوی نہیں ہیں؟

پانچویں بات یہ ہے کہ ہم ایک مرتبہ عام حکومتوں کے متعلق بحث کرتے ہیں اور
ایک دفعہ خلافت پیغمبر ﷺ اور حکومت الہی کے متعلق بحث کرتے ہیں تو یہاں پر ہر کوئی
قائم مقام پیغمبر ﷺ نہیں بن سکتا۔ یقینی طور پر علم و دانش کے لحاظ سے قائم مقام
پیغمبر ﷺ کو لوگوں پر فوقیت حاصل ہو، تاکہ وہ مشکل وقت میں سنبھال دے سکے، اور
واقعاً پیغمبر کی کرسی پر بیٹھا ہوا چلتا ہو، کیونکہ یہ بہت بڑا عہدہ ہے، اس میں کسی قسم کا نقص

وعیب نہیں ہونا چاہئے۔ اگر کوئی خود ہی مقام رسول ﷺ پر بیٹھ جائے، کیا مورد اطمینان ہے کہ وہ لوگوں کی مشکلات کو دور کر سکے گا، ان کو کتاب و سنت کے متعلق جواب دے سکے گا؟ کیونکہ حضرت علی علیہ السلام ہر وقت ان کی مجلس میں حاضر ہونے سے قاصر ہیں کہ آپ لوگوں کے سوالوں کا جواب دیں، اور حضرت علی علیہ السلام لوگوں کی مشکلات کو حل کر سکیں۔ اور اسلام کو خطرات سے نکال سکیں.....؟

چھٹی بات یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی بالاترین فضیلت اور دوسروں پر برتری کی دلیل وہی مولانا علی علیہ السلام کا علم و دانش ہے، میرا عقیدہ ہے کہ لاقتنا ہی سرچشمہ علم الہی سے جتنا فیض حاصل کر لویہ کبھی خشک نہ ہوگا، کیونکہ یہ منبع اصلی سے متصل ہے، اور تمام امت کا حضرت علی علیہ السلام کی اس عظمت اور برتری پر اجماع ہے، اس ہستی نور کو سب اعلم و افضل سمجھتے ہیں۔ تو پھر حضرت علی علیہ السلام سے بڑھ کر خلافت کا سزاوار کون ہو سکتا ہے؟ یہ روایت اہل سنت کی کتابوں میں مختلف طریقہ سے وارد ہوئی ہے جب کہ حضرت رسول خدا ﷺ، علی علیہ السلام کو اپنا وارث و جانشین سمجھتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ سے کون سی وراثت پاؤں گا؟ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ماورث الانبياء من قلى۔

”وہ چیز مجھ سے پہلے انبیاء نے ارث حاصل کیا۔“

حضرت علی پوچھتے ہیں کہ آپ سے پہلے انبیاء نے کیا ارث حاصل کیا۔ آپ

ارشاد فرماتے ہیں کہ

کتاب اللہ وسنة نبیہم۔

”اللہ کی کتاب اور انبیاء کی سنت۔“

[حاکم مستدرک نے ج ۳، ص ۲۲۶ میں جب اس حدیث کو نقل کیا، تو اس نے وضاحت کی کہ اس میں اختلاف نہیں ہے کہ چچا کا بیٹا اپنے چچا زاد سے وراثت نہیں پاتا ہے، اور اس میں اجماع اصحاب موجود ہے کہ علیؑ نے پیغمبرؐ سے علم وراثت میں حاصل کیا ہے، اور اس کے علاوہ اس وراثت میں کوئی شریک نہیں]

اسی وجہ سے سخن علیؑ درست اور صحیح ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ

والله انى لا خوه ووليه وانى عمه ووارث علمه،

فمن احق به منى۔

”خدا کی قسم میں رسول اللہ ﷺ کا بھائی، ولی، چچا کا بیٹا، اور اس کے علم کا وارث ہوں، پس وہ کون ہے جو مجھ سے زیادہ اس کا سر اور وارث لائق ہو۔“

[خصائص نسائی، ص ۱۸. مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۲۶]

ساتویں بات یہ ہے کہ آپ کے علم و فضل اور خلافت کے حق دار ہونے پر

معروف و مشہور اہل علم حضرات کے درمیان حدیث متواتر دلالت کرتی ہے کہ

انا مدينة العلم وعلی بابها۔

”میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔“

یہ حدیث رسول مقبول ﷺ کی اعلیٰ کی بزرگ ترین دلیل ہے اور حضرت

علیؑ تمام لوگوں سے زیادہ دانا تھے، اور یہ حضرت علیؑ کی پیروی اور اتباع پر

واضح روشن دلیل ہے، جب کہ دوسرے لوگ اس سے محروم ہیں اور رسول ﷺ کی

مشہور حدیث کے اصل متن میں یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ

فمن اراد المدينة فليأتها من بابها۔

”پس جو شخص بھی شہر میں داخل ہونا چاہتا ہے، تو اسے چاہیے کہ وہ علم کے

شہر کے دروازہ سے ہو کر آئے۔“

یعنی مجھ تک پہنچنے کے لئے علیؑ کا وسیلہ ضروری ہے، پس جو شخص چاہتا ہے کہ وہ مجھ تک رسائی حاصل کرے، اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنا وسیلہ حضرت علیؑ کو قرار دے۔ رسول خدا ﷺ دوسرے مقام پر دوسرے لفظوں میں حضرت علیؑ کی عظمت و منزلت بیان فرماتے ہیں۔

ان مدینة العلم وانت بابها۔ کذب من زعم انه
يدخل المدينة بغير الباب، قال الله عز وجل:
واتوا السيوت من ابوابها۔

”میں علم کا شہر ہوں اور تو اس کا دروازہ ہے، اور وہ شخص جھوٹ بولتا ہے کہ جو شہر میں بغیر دروازہ کے داخل ہونے کا گمان کرتا ہے، کیونکہ ارشاد الہی ہے کہ تم گھروں میں دروازوں سے داخل ہو۔“

اس روایت کو کئی طریقے سے بڑے بڑے اصحاب نے من جملہ ابن عباسؓ، حذیفہؓ، سعید بن جبیرؓ اور جابر بن عبد اللہؓ سے نقل کیا ہے اور اہل سنت کی معتبر کتابوں میں سومرور سے بیان کیا گیا ہے۔ اور اس حدیث میں کسی قسم کا شک و شبہ ہی نہیں ہے۔ اس حدیث کو جن شخصیات نے کئی بار ذکر کیا ہے، من جملہ ایک احمد بن حنبل ہیں کہ جو اپنی کتاب مناقب میں، حاکم نے مستدرک میں، ترمذی نے جامع الصحیح ترمذی میں، طبری نے تہذیب الآثار میں، طبرانی نے معجم الکبیر میں، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں، ذہبی نے تذکرہ میں، ابن اثیر نے اسد الغابہ میں، ابن جوزی نے تذکرہ میں، کنجی شافعی نے کفایہ میں، بیہقی نے مجمع الزوائد میں، ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں اور لسان المیزان میں، ابن صباغ مالکی نے فصول المهمہ میں، جلال الدین سیوطی نے جامع الصغیر میں اور کئی دوسری کتابوں میں۔

آٹھویں دلیل حضرت علیؑ کے اعلم ہونے اور حکومت کے مستحق ہونے کی پیغمبر اسلام ﷺ کی وہ زیادہ احادیث ہیں کہ جو ہم تک مختلف مضامین سے پہنچی ہیں، رسول خدا ﷺ نے تاکید کی ہے کہ لوگوں میں سے عالم کو تقدم حاصل ہے اور اسی طرح اعلم کو دوسرے تمام لوگوں پر برتری حاصل ہے۔

اور روایت میں موجود ہے کہ آپ نے فرمایا:

من دعا الناس الى نفسه وفيهم من هو اعلم منه،
لم ينظر الله اليه يوم القيامة۔^۱

[دوسری روایت میں بڑی شدت اور سختی سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص بھی مسلمانوں پر حکومت کرے، اس کو چاہئے کہ وہ دیکھے کہ لوگوں میں سے کوئی اس سے افضل و برتر موجود ہے تو پھر اس نے خدا اور رسولؐ اور مسلمانوں سے خیانت کی ہے]

”جس نے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دی، جب کہ لوگوں میں اس سے اعلم لوگ موجود ہیں تو خداوند تعالیٰ روز قیامت اس کی طرف ہرگز نہیں دیکھے گا۔“

صحیح بخاری ج ۹، ص ۸۰، میں ایک اور روایت بیان کی گئی ہے، کہ ”باب

ما يكره من الحرص على الامارة“ میں نقل ہوا کہ

ما من وال يلقى رعية من المسلمين فيموت وهو غاش
لهم الاحرم الله عليه الجنة۔

”کسی بھی حاکم و والی نے مسلمانوں کے گروہ پر حکم نہیں کیا، علاوہ اس کے اس نے ان سے خیانت کی، اور وہ اس حالت میں مرجاتا ہے، تو خداوند تعالیٰ نے اس کے لئے بہشت کو حرام قرار دیا ہے۔“

اتفاق کی بات ہے، کہ حضرت علیؑ کو تمام اصحاب ”شیخین“ سمیت اور رسول خداﷺ کے اکابروں پر علم و دانش میں برتری حاصل تھی، آپ تمام سے اعلم اور دانش مندر تھے، یہاں تک کہ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ:

علی اعلم الناس بالنسنة -

(استیعاب، ج ۲، ص ۴۰، درحاشیہ اصنافہ ریاض النظر، ج ۲، ص ۱۹۳، مناقب

خوارزمی، ص ۱۵۴، صواعق المحرقة، ص ۲۲، تاریخ الخلفاء، ص ۱۱۵)

حضرت علیؑ تمام بڑے لوگوں سے پیغمبرﷺ کی سنت میں اعلم تھے۔

قرآن مجید کے بہت بڑے بزرگ مفسر ابن عباسؓ کا کہنا ہے کہ

والله لقد اعطى علي بن ابي طالب تسعة

اعشار العلم، واهم الله لقد شاركم في العشر

العاشر۔

(استیعاب ج ۳، ص ۴۰، ریاض النظر، ج ۲، ص ۱۹۴، مطالب السنوول، ص ۱۳۰)

”خدا کی قسم حضرت علیؑ کو علم و دانش کے دس حصوں میں سے نو

حصے اور ہر تقسیم کیے گئے، اور خدا کی قسم وہ باقی دسویں حصے میں بھی،

تمہارے ساتھ شریک ہیں۔“

بڑے بڑے اکابر و بزرگ اصحاب نے وقتاً فوقتاً اس حقیقت کا واضح اقرار کیا

ہے، جیسے ابن مسعودؓ، ابو سعید خدریؓ، اور عدی بن حاتمؓ وغیر۔

اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ حضرت علیؑ کا غلیظ ترین دشمن بھی حضرت علیؑ

کے فضائل سے انکار نہیں کر سکتا۔ حضرت علیؑ کے دشمن معاویہ کو جب پتہ چلا کہ

حضرت علیؑ شہید ہو گئے ہیں۔ وہ معاویہ جس کے جسم میں خون کی جگہ خاندان

پیغمبرﷺ کی دشمنی گردش کرتی تھی۔ وہ بھی اس کوہ علم اور مینازہ نور کی حقیقت سے

انکار نہ کر سکا، اور کہنے لگا:

”ابو طالب ﷺ کے بیٹے کی وفات کے ساتھ ہی علم ختم ہو گیا۔“

نویں دلیل سورہ بقرہ کی آیت ۲۴۷ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر پر اعتراض کیا کہ ہم پر طالوت کو حاکم کیوں بنایا گیا ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے ان کے جواب میں اولاً یہ کہا کہ وہ سمجھ جائیں کہ میں نے حاکم کو متعین نہیں کیا، بلکہ پروردگار عالم نے ان کو متعین کیا ہے، تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ حاکم اور والی مسلمین خدا کی طرف سے متعین کیا گیا ہے۔

ثانیاً ان کو معلوم ہو جائے کہ اسے ان پر برتری و فضیلت حاصل ہے، کیونکہ ان میں علم زیادہ پایا جاتا تھا، اور اسی طرح شجاعت وغیرہ کا درجہ دوسروں کی نسبت زیادہ تھا۔ لہذا ان کے ان کمالات کی وجہ سے خدا نے تم پر اس کو مسلط کیا ہے۔

وقال لهم نبيهم ان الله قد بعث لكم طالوت ملكا قالوا انى يكون له الملك عينا ونحن احق بالملك منه ولم يوت سعة من المال، قال ان الله اصطفاه عليكم وزاده بسطة في العلم والحسب والله يوتى منكم من يشاء والله واسع عليم۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ انہوں نے طالوت ﷺ پر اعتراض کیا کہ ان کے پاس روپے پیسے زیادہ نہیں ہیں۔ وہ مثلاً اجتماعی شخصیت نہیں رکھتے، پس وہ ہم پر حکومت کرنے کا استحقاق نہیں رکھتے۔ پیغمبر ﷺ نے ان کے جواب میں کہا کہ خداوند تعالیٰ کا اس کو دوسرے لوگوں پر فضیلت و برتری دینا اور ان کو تم پر حاکم قائم کرنا اس کی فقط وجہ یہی ہے کہ خدا نے ان کو علم و شجاعت فراواں عطاء کی ہے، پس طالوت کے حاکم ہونے کی اغلب دلیل ان کا علم تھا، اور اس کمال کی وجہ سے انہیں لوگوں پر حاکم مقرر کیا گیا۔

اور یہ بہترین اسلحہ ہے، کیونکہ جس کے پاس کمال علم ہوگا وہ دوسروں کی نسبت امورِ مملکت کو احسن طریقے سے چلا سکتا ہے۔ وہ معاشرے کے مسائل و مشکلات اور مصالِح و مفاسد سے زیادہ آگاہ ہوگا، اور لوگوں کی مشکلات کو بہتر انداز میں حل کر سکے گا، لہذا جامعہ اس کے علم و فضل سے رو بہ ترقی ہوگا، اور معاشرہ ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن ہوگا، اور نہ اس کی مانند جس شخص کے پاس علم و فضل تو نہیں ہے، اور لوگوں پر طاقت اور تلوار کے بل بوتے پر حکومت کرے۔ اصلاحِ خدا حاکم کو متعین کرے نہ کہ لوگ، یہ کیا بات ہوئی کہ چند لوگ اکٹھے ہو جائیں اور ایک کو اپنا حاکم منتخب کر لیں، اور اس کے بعد لوگوں سے زور کے ساتھ بیعت لیں، علم و فضل نام کی چیز ان کے پاس نہ ہو، اور بعد میں اسلام کیلئے باعثِ ندامت ہوں؟

استاد! میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہارے کلام کو قطع کروں، کیونکہ تم اچھے مطالب کو پیش کر رہے ہو، البتہ ایک جملہ کی طرف جو تم نے اشارہ کیا ہے، اس کی طرف میرا ایک اعتراض ہے۔ آپ کی گفتگو کا اشارہ سقیفہ کی طرف ہے، لیکن سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں مہاجرین و انصار کے بڑے بڑے بزرگ موجود تھے، اور ان سب نے ابو بکر کو خلیفہ چنا۔ ہماری بحث حضرت ابو بکر کی افضلیت و اعلیٰت کے بارے میں نہیں ہے کہ وہ ایک دانش و بینش والے شخص تھے۔ البتہ چند خصائل میں ان کو دوسروں پر برتری حاصل تھی۔ من جملہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے اور وہ یارِ غار تھے۔ شاید اس کے علاوہ بھی آپ کے اندر کمال ہوں، جن سے سقیفہ کا حباب آگاہ ہوں، جن کی وجہ سے وہ دوسروں کی نسبت اس خلافت کے زیادہ مستحق و سزاوار ہوں اور یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اگر علیؑ اس اجتماع میں شرکت کرتے، تو آپ مستحق ٹھہرتے، اس کا کیا علم؟

استاد کے اعتراض کے ساتھ ہی کلاس کی گھنٹی بج گئی اور ہماری آج کی بحث تمام ہوئی ہے اور اس بحث کو اگلی میٹنگ پر موقوف کر دیا گیا۔

سقیفہ میں کیا ہوا؟

میں نے اس موضوع پر کاملاً تیاری کر رکھی تھی، اور میں نے اس موضوع سخن پر قبیلہ کئی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوا اور خصوصی طور پر مرحوم امینی رضون اللہ تعالیٰ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب ”الغدیر“ کا اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کر رکھا تھا اور میں نے خداوند تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے محمد و آل محمد کی مدد سے بحث کا اس طرح آغاز کیا:

آپ کا ابھی اعتراض باقی تھا، اور آپ نے اپنے اعتراض میں چند نکات کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ ان میں ہر نکتے پر بحث کرنے کی ضرورت ہے، اور ہر ایک کا جداگانہ مطلب ہے، من جملہ ان میں سے فضائل حضرت ابوبکر دوسروں پر خلافت میں ان کا مقدم ہونا۔ اور دوسروں کو شورشی کا منتخب کرنا، ابوبکر کو خلافت کے لئے منتخب کرنا، اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سقیفہ میں موجود نہ تھے وگرنہ ممکن تھا کہ ان کا انتخاب کیا جاتا؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اگر سقیفہ میں موجود نہ تھے تو وہ کہاں تھے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اس وقت کہاں مصروف تھے؟ رسول ﷺ کی رحلت کو کتنے گھنٹے ہوئے تھے کہ انہوں نے سقیفہ میں اجتماع کر دیا؟

ایک کامل واکمل انسان کا جنازہ بغیر غسل و کفن کے پڑا ہوا تھا؟ ایک عظیم انسان کے جنازے کو کفن و دفن نہ کیا گیا تھا۔

کس طرح ان اصحاب رسول ﷺ نے رسول ﷺ کے جنازہ کو خالی چھوڑا اور

سقیفہ میں جمع ہو گئے؟ کیا جنازہ رسول ﷺ کا دفن کرنا ضروری تھا یا سقیفہ میں اقتدار کی کرسی پر براجمان ہونے کے لئے اجتماع کرنا ضروری تھا؟ کیا رسول ﷺ کا ان کے دلوں میں یہی احترام تھا؟ یا ان کے اہداف میں فقط حصول اقتدار تھا؟

کیا حضرت علی علیہ السلام جیسے عظیم انسان کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ اپنے بھائی، چچا کے بیٹے، اور ایک عظیم انسان کے جنازے کو چھوڑ کر ان کے ساتھ سقیفہ میں چلے جاتے؟ اور خلافت کے مسئلہ پر لڑائی جھگڑا کرتے؟ کیا یہ خاندان علی علیہ السلام (اہل بیت) کے لئے یہ غم کوئی کم تھا، کہ حضرت علی علیہ السلام اس کا تحمل کر سکتے، اور اقتدار کی کھکاش کے لئے سردھڑکی بازی لگا دیتے؟

کیا حضرت علی علیہ السلام اس سازشی اجتماع میں شرکت کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے، کہ آپ اس نازک وقت میں زیا م حکومت سنبھالنے کے پیچھے بارے بارے پھرتے؟ دوسری بات جو واضح اور مسلم ہے کہ سقیفہ کی پلاننگ پہلے ہی کی گئی تھی اور اس کا پہلے ہی پروگرام مرتب کیا گیا تھا، اور جمعرات کے روز حضرت عمر چند اصحاب کے ہمراہ مجلس پینمبر ﷺ میں داخل ہوئے تھے۔ اور وہاں پر پینمبر اکرم ﷺ نے ان سے قلم و دوات مانگا، تاکہ آپ ان کے لئے ایک تحریر چھوڑ دیں کہ امت مسلمہ آپ کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو۔ عمر نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ”آداب مجلس رسول ﷺ کے خلاف کہا کہ یہ ہدیان بک رہے ہیں ﴿نعو ذباللہ من ذالک﴾ ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے۔

یہ عمر نے اس روز رسول ﷺ کی محفل میں گفتگو کی جب مسلمانوں پر مصیبت ٹوٹ پڑی تھی، اور رحمت دو جہاں کا انتقال ہونے والا ہے۔ ان کی سازش کا پول تو اس روز ہی واضح ہو گیا تھا، کہ انہوں نے اس سلسلہ میں علیحدہ میٹنگیں کر کے ایک سازش

تیار کر رکھی تھی، چونکہ عمر دوسروں کی نسبت گفتگو کرنے میں زیادہ جرأت مند تھے، لہذا انہوں نے اپنے منصوبہ کا اظہار بے لفظوں میں کر دیا تھا۔

بہر کیف میں نہیں چاہتا کہ سقیفہ کو تاریخی تناظر میں دیکھوں اور اس کی آپ کے سامنے تحقیق بیان کروں، اور میں اصلاً منفی بحث کرنے سے کئی کتر اتا ہوں، چاہے آپ ہوں یا کوئی اور ہو۔ حضرت علیؑ اور خاندان اہل بیت علیہم السلام کی صفات مثبت اور برجستہ فضائل بیان کرنے کا حامی ہوں، کہ جن کا تذکرہ کتاب خدا اور سنت رسول ﷺ میں موجود ہے، اور یہ دونوں اہل بیت علیہم السلام کے فضائل و کمالات سے بھری پڑی ہیں اور ہم لوگوں کی توجہ امر ولی مسلمین اور رہبری کے لئے ان صفات حسنہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں، اور ہم دوسروں کی نفی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، البتہ میں یہاں پر مجبور ہوں کہ آپ نے یہاں اس بحث سقیفہ کو مطلع کیا ہے۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا السَّقِيفَةُ؟

”سقیفہ سے امت کا شیرازہ بکھرا۔“

فتنہ و فساد اور سازش جگہ، اسی جگہ سے مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد کی بنیاد رکھی گئی۔ اس مقام سے فتنہ و اختلاف کی آگ امت مسلمہ کے درمیان سلگائی گئی..... جس کی چنگاریاں آج تک مسلمانوں کے درمیان شعلہ زن ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان آج جتنے اختلافات، کدورتیں، قتل و غارت، دنگ و فساد، مار پیٹ اور دشمنیاں جنم لے رہی ہیں یہ سقیفہ کی بھڑکائی ہوئی آگ کا نتیجہ ہیں۔ آج

مسلمان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں، ہر فرقہ دوسرے فرقہ کے مسلمانوں کو قتل کرنا باعثِ ثواب سمجھتا ہے۔ اور پورا عالم اسلام سقیفہ کے اٹھے ہوئے شعلوں کی لپیٹ میں آچکا ہے، کیونکہ پیغمبر اکرم ﷺ نے مختلف مقامات پر بحکم پروردگار نص قرآنی کے ذریعہ اپنی جانشینی و خلافت کے لئے حضرت علیؓ کو چن لیا تھا، اور آپؓ نے خلافتِ الہی کا کئی جگہوں پر لوگوں کے سامنے اعلان فرمایا تھا، لیکن مسلمانوں نے احکاماتِ خداوند اور رسول ﷺ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سقیفہ میں اجتماع کر لیا، اور ان لوگوں نے رسول ﷺ کی زندگی میں مخفیانہ پروگرام بنا لیا تھا، لہذا انہوں نے موقع پر اس کا اظہار کیا اور حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا لیا۔

اور یہ ہنسنے والی بات ہے کہ سقیفہ کے گٹھ جوڑ میں چہ جائے کہ شرکاء جلسہ کی آراء کو سنا جائے اور اس پر غور کیا جائے، طے شدہ منصوبے کے مطابق ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ خلیفہ بن جائے اور زمامِ حکومت اس کے ہاتھ میں آجائے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر خلافت کی گیند کو ایک دوسرے کی طرف پھینک رہے تھے۔ وہ ان سے کہہ رہے تھے کہ تم مسلمانوں کے خلیفہ ہو، کیونکہ تم سب سے پہلے ایمان لائے ہو لہذا تم زیادہ حقدار ہو، اور حضرت ابوبکر کہہ رہے تھے کہ تم میں خلافت کی صلاحیت دوسروں سے زیادہ ہے، اور میں اس کا روبرو انجام نہیں دے سکتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اجتماع سے پہلے ان دو کے درمیان خصوصی میٹنگ ہو چکی تھی، اور شاہدِ ان کے ساتھ ابو عبیدہ بھی تھا۔ انہوں نے اس کے متعلق پورا منصوبہ بنا رکھا تھا اور اب یہ لوگ ادھر ادھر کی بحث جان بوجھ کر کر رہے تھے، اور یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کی طرف گیند پھینک رہے تھے، اور ابو عبیدہ لوگوں کا رخ ان کی طرف طے شدہ منصوبے کے مطابق موڑ رہا تھا، اور لوگوں کو ان کی طرف

دعوت دے رہا تھا۔

[تاریخ طبری، ج ۳، ص ۱۹۹]

دوسری طرف حضرت علیؑ اور خاندان بنی ہاشم اس عظیم مصیبت پر ماتم کر رہے تھے، اور رسول اللہ ﷺ کا گھر سوگ میں ڈوبا ہوا تھا، ہر طرف سے رونے، بین کرنے اور ماتم کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، اور سارے اہل بیت سید الانبیاء کے تمہیز و تکفین میں مشغول تھے۔

[سیدۃ ابن ہشام ج ۴، ص ۳۳۶، ریاض النظر وج ۱، ص ۱۶۳]

”دیشین“ نے رسول ﷺ کے غسل و کفن اور جنازہ میں شرکت بھی نہ کی، یعنی

انہوں نے مراسم رسول ﷺ میں شرکت کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی؟

[طبقات ابن سعد، ص ۷۸۷]

البتہ اس میٹنگ میں بعض مہاجرین، انصار اور بعض قریشیوں نے مخالفت کی تھی، لیکن بعض کی زبان لالچ اور طمع دے کر بند کرادی۔ اور بعض کو ڈرا دھمکا کر خاموش کروالیا گیا، اور دوسرے لوگوں نے میٹنگ کے بعد چپ سادھ لی، جو بھی ان کے خلاف کوئی صدا بلند کرتا یہ لوگ اس کے خلاف تندی اور خشونت سے پیش آتے، جیسے حضرت مقدادؓ، نے ان کے خلاف قیام کیا، اور وہ چاہتے تھے کہ لوگوں کے سامنے حقائق کو پیش کریں، تاکہ لوگوں کو حقائق سے آشنائی ہو جائے تو انہوں نے ان کے سینہ کو بری طرح زخمی کر دیا، اور ان کو گھٹنگو کرنے سے روک دیا، اسی طرح ”حباب بن منذرؓ“ کی ناک کو توڑ دیا، اور سب سے جو برا کام ہوا وہ یہ کہ انہوں نے دختر رسول مقبول ﷺ ”تول“ کے گھر پر دھاوا بول دیا۔ یہ وہی خانہ تول تھا کہ رسول ﷺ نماز سے پہلے اس گھر میں جاتے اور آیت تطہیر کی تلاوت کرتے اور

آپ اہل خانہ سے ارشاد فرماتے:

أَنَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمْ الرِّجْسَ أَهْلَ كُنَيْتٍ

وَيُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيرًا (قوم والی الصلوٰۃ یرحکم اللہ)۔

”اے اہل بیٹ! اللہ نے ارادہ کر رکھا ہے کہ تم کو جس سے دور کھے جیسے

دور رکھنے کا حق ہے“۔ (نماز کے لئے آٹھ جاؤ اللہ تم پر رحم کرے)

[اصحیح ترمذی ج ۵، ص ۳۵۲، درالمنثور سیوطی ج ۵، ص ۱۹۹، مسند احمد بن

حنبل ج ۳، ص ۲۵۹، تفسیر طبری ج ۲۲، ص ۶، تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۴۹۲]

اور اس گھر میں تو فرشتگان مقرب الہی کی آمد و رفت ہوتی تھی، اس گھر میں تو رسول خداؐ آجائز کے بغیر اندر داخل نہ ہوتے تھے، اس گھر میں تو عزرائیل فرشتہ بھی بتولؑ کے اذن سے داخل ہوتا تھا، اس گھر میں تو وحی نازل ہوتی تھی، اس گھر کا فرشتے طوائف کرنا ثواب سمجھتے تھے، اس گھر کے فرشتے نوکرتھے، لیکن ہائے افسوس آج اسی گھر میں دختر رسولؐ کو مسلمانوں کی طرف سے دھمکی دی جاتی ہے۔ آپؐ کے گھر کو آگ لگا دی جاتی ہے آج رسولؐ کے چند اصحاب رسولؐ کی بیٹی کو اذیت پہنچا رہے ہیں، ایسا کیوں؟ صرف اس لئے کہ رسولؐ زادی سے یہ لوگ بیعت کا مطالبہ کر رہے تھے، یہ اپنی ظاہری خلافت پر خاندان رسولؐ کی حمایت چاہتے تھے؟

حیرانی کی بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکر نے خود حضرت عمر کو اس لئے بھیجا تھا کہ اگر وہ بیعت نہیں کرتے تو ان سے سختی سے نبٹا جائے۔

حضرت عمر بتولؑ کے دروازہ پر سلکتی ہوئی لکڑیاں لاتے ہیں، اور ان کی خواہش ہے کہ دروازہ بتولؑ کو چلا دیں، ایک آواز بلند کر کے کہتا ہے کہ اے رسولؐ کی بیٹی! ”بیعت کے لئے گھر سے نکل کھڑی ہو، وگرنہ تیرے گھر کو جلا دوں گا“ ایک شخص

نے ان سے کہا:

اے عمر! یہ تو فاطمہ علیہا السلام کا گھر ہے؟

عمر نے جواب دیا! تو پھر کیا ہے، ہوتا ہے تو ہوتا ہے!

[تاریخ طبری ج ۳، ص ۱۹۸، الامامة والسياسة ابن فتيبة ج ۱ ص ۱۳ اعلام النساء ج ۳، ص ۱۲۰، شرح ابن ابی الحديد ج ۱ ص ۲۴]

اس وقت پارہ جگر رسول خدا ﷺ حضرت زہراء سلام اللہ علیہا اس کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں۔ اے خطاب کے بیٹے! کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمارے گھر کو آگ لگائے گا؟ عمر کہتا ہے: جی ہاں! یا تم امت کے ساتھ بیعت کے معاملہ میں شرکت کرو۔

[عقد الفرید ج ۲، ص ۲۵۰، تاریخ ابو الفداء ج ۱، ص ۱۵۶، اعلام النساء ج ۳ ص ۱۲۰۷]

عمر کی اس دھمکی اور رسول ﷺ زادی کے ساتھ سخت کلام نے بتوں کے دل کو زخمی کر دیا، اسی وقت بتوں نے زخمی دل سے دردناک اور مظلومانہ فریاد بلند کی:

اے بابا! اے رسول خدا ﷺ! دیکھو کہ تیری وفات کے بعد ابو بکر اور عمر نے تیری بیٹی پر کس طرح ظلم کیے ہیں؟

[الامته والسياسة، ج ۱ ص ۳۱، اعلام النساء ج ۳، ص ۱۲۰، شرح ابن ابی الحديد ج ۱ ص ۱۳۴]

استاد: تمہارا یہ کہنا کہ لوگوں نے غدیر خم کے علاوہ بھی کئی موقعوں پر دیکھا کہ رسول اللہ نے حضرت علی علیہ السلام کو ان کے سامنے اپنے وصی و جانشین کا اعلان کیا، بلکہ حضرت نے کئی دفعہ اعلان کیا کہ میرا جانشین وصی اور ولی ہے۔ یہ لوگ کہاں تھے؟ انہوں نے اقدام کیوں نہ کیا؟

میں نے عرض کیا ہے کہ بعض لوگوں نے تو اسی محفل میں ہی اور بعض نے دوسری جگہوں پر اعتراض کیا، اور انہوں نے خودداری کا ثبوت دیتے ہوئے ان کی بیعت نہیں کی، بلکہ ان کی ہمدردیاں اہل بیتؑ کے ساتھ تھیں، لیکن جب عمر نے تلوار کے زور پر لوگوں سے بیعت لینی چاہی، اور لوگوں کو ہر طرح کی دھمکی دی، جب خانہ بتولؑ پر آگ لگادی اور جب علی بن ابی طالبؑ کو زبردستی گھر سے نکالا گیا، اور آپ کو دست بستہ مسجد میں داخل کیا گیا، اور آپ سے زبردستی بیعت کا مطالبہ کیا گیا، اور آپ نے ان کے جواب میں کہا:

”اگر بیعت نہ کی تو پھر کیا ہوگا؟“

آپ سے کہا گیا، کہ خدا کی قسم! آپ کی گردن اڑادی جائے گی!

حضرت علیؑ نے کہا: یعنی خدا کے سچے بندے اور رسول خدا ﷺ کے بھائی کی گردن اڑادی جائے گی!؟ اور بڑی بڑی شخصیات مقدارؓ، اہل بن حنیفؓ، ابوایوب انصاریؓ اور حباب بن منذرؓ وغیرہ نے حضرت علیؑ کے مقام کا دفاع کرتے ہوئے مار کھائی اور ان عظیم شخصیات پر ڈنڈے برسائے گئے۔ اور ان کو قتل کی دھمکی دی گئی، لوگ کیسی قدرت رکھتے تھے، کہ ان پر اعتراض کریں۔

اصل میں حضرت عمر نے لوگوں کو اس قدر وحشت زدہ اور مضطرب کر دیا تھا، کہ واقعہ سقیفہ کو مدت گزر جانے کے بعد خود کہتے ہیں:

انہا كانت فلتة، وقى الله شرها۔

[صحیح بخاری، ج ۱۰، ص ۴۴، مسند احمد، ج ۱، ص ۵۵، تاریخ طبری، ج ۳، ص ۲۰۰، سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۳۳۸، کامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۳۵، سیرہ حلبیہ، ج ۳، ص ۳۸۸، صواعق المحرقة، ص ۵، انساب بلاندی، ج ۵، ص ۱۵، ریاض النظرہ، ج ۱، ص ۱۶۱، نہایہ ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۳۸]

”خلافت ابوبکر ایک ناگہانی اور بے فکری تھی، خداوند تعالیٰ نے اس کے شر سے ہمیں بچالیا۔“

دوسرے مقام پر اس عمل کی قباحت کا اعلان کرتے ہیں، کہ جس نے بھی اس طرح کے عمل کو دوبارہ دہرانے کی کوشش کی تو پس تم اس کو قتل کرو۔

[فمن عادالی مثلہا فقتلوه“ صواعق ابن حجر ص ۲۱، التمهید ص ۱۹۶، شرح ابن ابی الحدید ص ۱ ص ۱۲۳]

تاریخ طبری میں حضرت عمر کی زبانی نقل کیا گیا ہے کہ یہ بیعت لینے کا طریقہ ناچختہ اور سادہ لوح تھا، جیسے کہ زمانہ جاہلیت کی بے فکر کلام۔

[صحیح طبری ج ۳، ص ۳۱۰]

کس طرح تم نے دعویٰ کیا ہے کہ سقیفہ کا معاملہ ایک شورائی نظام تھا، جب کہ بڑے بڑے بزرگوں نے ان مشکلات کے باوجود ان کی مخالفت کی، اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی نے آخری عمر تک بیعت نہیں کی۔ جب ان سے کہا گیا کہ ابوبکر کی بیعت کرو تو اس نے جواب میں کہا:

”خدا کی قسم اگر تمام جن و انس بھی تمہارے ساتھ ہوں، تب بھی میں تمہاری بیعت نہ کروں گا، تا وقت کہ اپنے پروردگار سے ملاقات کروں، اور اس سے اپنے اپنے حساب کی تحقیق نہ کر لوں، یہاں تک کہ وہ ان کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ اور ان کے ساتھ خانہ خدا کے حج کے لئے نہ گئے۔ ان کے کسی پروگرام میں شرکت نہ کرتے تھے۔“

[تاریخ طبری ج ۳، ص ۱۹۸، ۲۰۰، ۲۰۷]

یہاں تک کہ تم طلحہ وزبیر اور وعشرہ مبشرہ میں شمار کرتے ہو انہوں نے بیعت نہ کی

تھی، اور انہوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ، سلمان رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ، خالد بن سعید رضی اللہ عنہ

اور دوسرے مہاجرین کے ساتھ اعلان کر دیا تھا کہ ہم حضرت علیؑ کی علاوہ کسی کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے، اور نہ ہی ان کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔

[ریاض النظرہ ج ۱، ص ۱۶۷]

کیا آپ شوریٰ کی بات کرتے ہیں۔ بفرض محال اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ واقعاً شورائی نظام تھا۔ تو پھر کیا یہ شوریٰ نص کے مقابلہ میں صحیح ہے؟ کیا ولایت حضرت علیؑ پر آیات قرآنی کی تاویل و تفسیر موجود نہ تھی؟ پیغمبر ﷺ نے کتنے ہی موقعوں پر علیؑ کی خلافت بلا فصل پر نص بیان نہ کی تھی؟ اور حقیقت میں یہ پیغمبر ﷺ کا اعلان نہ تھا کہ آپ نے ولایت علیؑ کا متعدد مقامات پر اعلان کیا، بلکہ یہ امر الہی اور حکم پروردگار تھا، کہ آنحضرت ﷺ نے اس پیغام کو لوگوں تک فقط پہنچایا تھا، اور غدیر خم پر اعلان خلیفہ تو ہو چکا تھا، نص کے مقابلے میں شوریٰ کی کیا حیثیت ہے؟ اس سازش کا کیا مطلب ہے؟

مزے کی بات یہ ہے کہ جب انصار نے ”سقیفہ سازش“ کی مخالفت کی تو سقیفہ کے سیاستدانوں نے ان کو یہ دلیل دے کر چپ کر وا دیا کہ تم ہرگز امیر نہیں بن سکتے، کیونکہ ہمیں رسول ﷺ سے قرابت داری اور رشتے دار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جب کہ تم اغیار ہو! پس ہم اس خلافت کے لئے تم سے زیادہ مستحق اور سزاوار ہیں، اور یہی دلیل علیؑ علیہ السلام نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو دی تھی۔

ابن قتیبہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ؟

جب حضرت علیؑ کو حضرت ابو بکر کے پاس لایا گیا، اور انہوں نے کہا کہ میں خدا کا بندہ اور رسول خدا ﷺ کا بھائی ہوں، اور آپ کو کہا گیا کہ تم، حضرت ابو بکر کی بیعت کر لو۔

حضرت علیؑ جواب دیتے ہیں، کہ میں خلافت کے سلسلہ میں تم سے

زیادہ مستحق اور سزاوار ہوں، میں تمہاری بیعت ہرگز ہرگز نہیں کروں گا، بلکہ تم میری بیعت کرو، تم نے انصار کو یہ دلیل دے کر خلافت سے کنارہ کش کر دیا تھا کہ ہم پیغمبر ﷺ کے رشتہ دار اور قریبی ہیں، اور اب ہم اہل بیت علیہم السلام کو اس خلافت سے محروم کرنا چاہتے ہو۔ کیا تم نے انصار پر یہ دلیل قائم نہ کی تھی، کہ ہم اس خلافت کے زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ محمد ﷺ تم میں سے نہ تھے، اور وہ مجبور ہو گئے۔ رہبری و امامت کو تمہارے حوالے کرنے پر اور وہ خود کنارے کش ہو گئے۔ پس اب میں تمہارے سامنے وہی دلیل پیش کرتا ہوں کہ جو تم نے انصار کے سامنے پیش کی، میں رسول خدا ﷺ کا زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں۔ چاہے وہ زندہ ہوں یا اس دنیا سے رحلت فرما جائیں۔ اگر تم میں ایمان نام کی کوئی چیز موجود ہے تو تم خود ہی انصاف کرو، وگرنہ یہ ظلم و ستم مت کرو، کیونکہ تم جانتے ہو کہ تم ظلم کر رہے ہو۔

حضرت عمر نے آپ سے کہا! علیؑ ہم آپ کو بیعت کرنے کے بغیر آزاد نہیں کریں گے۔ حضرت علیؑ جواب دیتے ہیں: اے عمار تم پستان کو اچھی طرح صاف کرو، تاکہ گل تم بھی اپنا حصہ بچا سکو۔ تم آج اس کے لئے کام کرو، تاکہ گل وہ تمہارے حوالے خلافت کر دے۔

[الامامة السياسية ج ۱، ص ۱۴، ۱۲ تفصیل سے آپ کا خطبہ نقل کیا گیا ہے اور حضرت علیؑ نے مہاجرین و انصار کے سامنے خطبہ دیا کہ آخر میں بشرین سعد انصاری نے حضرت سے کہا کاش اگر انصار سقیفہ سے پہلے آپ کی گفتگو کو سن چکے ہوتے تو یہ دو شخص ہرگز آپ کے لئے اختلاف نہ کر سکتے]

سقیفہ کے موضوع پر اتنی بحث کرنا ہی کافی ہے البتہ میں آپ کے دوسرے اعتراض کا جواب دیتا ہوں، حضرت ابو بکر نے خود کسی قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کیا، بلکہ انہوں نے کھلا اعتراف کیا ہے کہ انہیں دوسروں پر کسی قسم کی برتری اور فضیلت حاصل

نہیں ہے، اور ایک جگہ پر تو واضح کہا ہے کہ جس طرح تم چاہتے ہو میں اس طرح سنت رسول پر عمل نہیں کر سکتا کیونکہ پیغمبر ﷺ تو ”معصوم عن الخطاء“ تھے۔ اور ان کی فرشتے مدد کرتے تھے۔ اور میرے پیچھے شیطان لگا ہوا ہے کہ بعض دفعہ وہ میرا سراغ لگاتا ہے، پس اگر میں صحیح کہوں تو میری مدد کرنا، اور اگر ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا اور دوسری جگہ پر کہا ہے:

انسی ولیت علیکم ولست بخیر کم، فان
رایتمونی علی الحق فاعینونی وان رایتمونی
علی الباطل فسدونی۔

[طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۲۹ عیون الاخبار ابن قتیبہ ج ۳ ص ۲۳۴۔ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۲۰۳ سیرة ابن ہشام، ج ۴، ص ۳۴۰۔ تاریخ الخلفاء، سیوطی، ص ۴۷ سیرہ حلبیہ ج ۲، ص ۳۳۸ تاریخ ابن کثیر، ج ۵، ص ۲۴۷ الامانہ دالسیاسہ، ج ۱، ص ۱۶۔ شرح ابن ابی الحدیث، ج ۲، ص ۸ کنز العمال، ج ۳ ص ۱۲۶]

”مجھے تم پر مسلط کیا گیا ہے جب کہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، پس اگر تم مجھے حق پر دیکھو تو میری مدد کرنا، اور اگر تم دیکھو کہ میں باطل پر عمل کر رہا ہوں تو پھر میری راہنمائی کرنا۔“

استاد: یہ حضرت ابوبکر کی تواضیح اور انکساری کی دلیل ہے کہ وہ اپنی اس گفتگو سے چاہتے تھے کہ لوگوں کے دلوں کو موہ لیں۔ اور اپنے آپ کو چھوٹا بنا کر پیش کر رہے تھے، تاکہ وہ آپ کی انکساری سے آگاہ ہو جائیں، یہ ان کی نافرمانی کی دلیل نہیں ہے۔
یہ آپ کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں؟ کیا یہ درست ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے گھٹیا پیش کرے اور لوگوں پر حکومت بھی کرے، اور پھر رعایا کو کہے کہ

میرے ٹیڑھے پن اور کج روی کو سیدھا کر دینا؟ کیا تواضع اور انکساری کا مطلب یہی ہے؟ اس کو تو علم پیغمبر ﷺ کا وارث اور اس کا پرچم دار ہونا چاہئے، کم از کم اس کو قرآن کے احکام پر تو دسترس ہونی چاہئے۔ سنت کو اچھی طرح جانتا ہو، نہ کہ وہ خود اقرار کرے کہ اگر میں حق پر ہوں تو میرا ساتھ دینا، اور اگر میرا حکم باطل پر مبنی ہو تو پھر میری راہنمائی کرنا۔

استاد: میری بحث یہ ہے کہ اگر خلیفہ تواضع نہ بھی کرے، اور واقعیت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو علمی حوالہ سے دوسرے اصحاب سے کم بھی سمجھتا ہو تو اس میں کیا اشکال ہے؟ آپ کی بات درست ہے کہ اگر خلیفہ و حاکم دوسروں سے علم و دانش میں زیادہ ہو تو آسانی سے حکم اور فیصلہ کر سکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ خلیفہ کا علم حضرت علیؑ اور کچھ دوسرے اصحاب سے کم تھا، لیکن وہ مسائل شرعی میں ان سے مدد طلب کر سکتے تھے، کیونکہ یہ ضروری ہے کہ خلیفہ کو دوسروں سے زیادہ عالم اور فاضل ہونا چاہیے۔ اگر لوگ کسی کو صدر مملکت کے لئے منتخب کرتے ہیں تو کیا اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام شرائط اس میں پائی جائیں؟ نہ ہرگز ضروری نہیں ہیں بلکہ وہ دوسروں سے مسائل میں مشاورت لے سکتا ہے اور ان کی مدد سے وہ کام کو احسن انداز میں چلا سکتا ہے۔

ایک دفعہ تم صدر مملکت، جمہوریت یا بادشاہت کی بات کرتے ہو، اور ایک دفعہ تم خلیفہ رسول اللہ ﷺ کی بات کرتے ہو تو اس میں فرق ہے۔ خلافت لوگوں کی حکومتوں سے جدا ہے۔ لوگ آج خلیفہ کی طرح نصب و تعیین نہیں کر سکتے، اور ویسے بھی پیغمبر ﷺ امر خدا کا پابند ہے کہ آپ نے لوگوں کو خیم غدیر میں جمع کیا ہے اور آپ نے اس سرزمین پر تمام شرائط کے ساتھ علیؑ کو خدا کے حکم سے خلیفہ مقرر کیا۔ اس پر بحث ہو چکی ہے میں اس بحث کی دوبارہ تکرار نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے آپ کو اس نتیجے پر پہنچا دیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہو رہا کہ

دوبارہ پھر آپ نے خلافت پر بحث کرنا شروع کر دی ہے۔ اس پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔ اگر کوئی چاہتا ہے کہ وہ رسولؐ کی کرسی پر بیٹھے تو اسے کتاب و سنت کا عالم ہونا چاہیے حکم خدا کو جاری کرے، نہ کہ وہ حکم خدا کو اپنی مرضی سے جاری کرے۔ اور پھر کہے کہ اگر میں حکم خدا کے مطابق ہوں تو بہتر ہے اور اگر نہ ہوں تو پھر میں خدا سے طلب مغفرت کروں گا۔

[تاریخ الخلفاء، السیوطی، ص ۷۱]

کسی خلیفہ کا یہ کہنا کہ میں اپنی رائے پر عمل کرتا ہوں، اگر درست ہو تو بہت اچھا، اگر درست نہ ہو تو پھر خدا سے طلب مغفرت کروں گا، یہ بات برج مرج کا باعث بنتی ہے، اور اسی سے سنت پیغمبرؐ مرور زمانہ کے ساتھ ختم ہو کر رہ جائے گی، کیونکہ اس میں دوسروں کی آراء، مل جائے گی اور حق کو باطل سے تشخیص دینا مشکل ہو جائے گا اور قرآن اس نظریہ کی مخالفت کرتا ہے کیونکہ ارشاد ہے (ان الظن الا یغنی من الحق شیئا) گمان سے حق تک رسائی نہیں ہو سکتی امام اور پیشوا کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے تاکہ وہ حق کو باطل سے پہچان سکے اور لوگوں کی مشکلات اور پریشانیوں کو حل کر سکے [

ہم اس نظریہ کے مخالف ہیں کہ لوگ شورائی کے ذریعے خلیفہ رسولؐ کا انتخاب کریں، اور یہ عقلاً درست نہیں ہے، کیونکہ لوگ تو اپنے جیسے کو منتخب کریں گے۔ لیکن یہ خداوند تعالیٰ ہے کہ اس شخص کا انتخاب کرے گا جو تالی کو پیغمبر ہو، وہ پیغمبر کی مثل ہو، کہ جو معصوم عن الخطاء و نسیان ہو۔

استاد: کیا تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ علیؑ معصوم عن الخطاء تھے؟

جی ہاں! ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علیؑ معصوم "عن الخطاء" ہیں فقط اگر کسی میں مقام ولایت اور خلیفہ رسولؐ کی صلاحیت و شائستگی پائی جاتی ہے تو وہ تنہا حضرت علیؑ ہیں۔

حضرت علیؑ کو خدا نے اس مقام کے لئے منتخب کیا ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ خدا نے اس امر کے لئے حضرت علیؑ کو منتخب کیا تھا، تو پھر لوگوں کو یہ حق

نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی مرضی سے ایک شخص کو خلیفہ بنا لیں، جس میں علمی صلاحیت بھی زیادہ نہ ہو۔ خداوند کا ارشاد پاک ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونُوا لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا

(سورہ احزاب، آیت ۳۶)

اگر علی علیہ السلام معصوم نہ ہوتے، خداوند اپنے امر کی اطاعت کا حکم نہ کرتا، کیونکہ خداوند تعالیٰ اپنے امر کے لئے اس شخص کی اطاعت کا حکم نہ دیتا جس میں خطا کا احتمال ہوتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

”تم اللہ، رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔“

(سورہ نسا، آیت ۵۹)

جب اولی الامر کی اطاعت خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت شمار ہوتی ہے۔ تو پھر معصوم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اشتباہ اور خطا سے معصوم ہو۔ وگرنہ حکم خدا جاری نہیں ہو سکتا، اور زمانہ میں فساد برپا ہو کر رہ جائے گا، اور امت مسلمہ خلفشار کا شکار ہو جائے گی۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ

أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمْ مَنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يُهْدَىٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ -

(سورہ بونس، آیت ۳۵)

تو پھر آیا جو شخص امر حق کا راستہ بتلاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بے تلامیٰ خود ہی راستہ نہ سوجھے تو تم کو کیا ہو گیا ہے تم کیسی تجویز کرتے ہو؟

یہ برادران المل سنت کے لئے قاطع اور روشن جواب ہے جو مفضول برفاضل، کی برتری کے قائل ہیں اور نادان کو عالم پر مقدم کرتے ہیں۔ ایک خود راہنمائی اور ہدایت کا محتاج ہے اور ایک خود راہنمائی و مرشد ہے اور بول بول کر کہہ رہا ہے:

سئلونی قبل ان تفقدونی۔

”مجھ سے جو چاہو پوچھ لو، قبل اس کے کہ تم مجھ کو گم کر دو۔“

استاد! آپ کے دلائل حضرت علی علیہ السلام کے علم و دانش کے متعلق کافی و دوانی ہیں، اور کوئی بھی حضرت علی علیہ السلام کے فضائل کا منکر نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود ہمارے پاس دلیل نہیں ہے کہ ہم دوسرے صحابہ کے فضائل کا انکار کریں۔ بہر کیف ابو بکر کے متعلق قرآن و سنت میں آیات و روایات نقل کی گئی ہیں، جو ان کے فضائل بیان کرتی ہیں۔ جب کہ ہمارے اکثر علماء حضرت ابو بکر کو حضرت علی علیہ السلام پر برتر و افضل سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ انہیں سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حاصل ہے، اور وہ غار میں پیغمبر ﷺ کے ہمراہ تھے اور آیت نازل ہوئی ہے۔

ثانی اثنین اذہما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن

ان اللہ معنا۔

کیا تم تردید کرتے ہو کہ یہ آیت ابو بکر کے متعلق نہیں ہے؟

کسی نے بھی تردید نہیں کی کہ یہ آیت پیغمبر اکرم ﷺ اور ابو بکر کے بارے میں بازل نہیں ہوئی، لیکن بڑی معذرت سے عرض ہے کہ یہ آیت ابو بکر کی کسی قسم کی فضیلت بیان نہیں کرتی۔ بڑی اچھی بات ہے کہ آپ اس کا اچھی طرح مطالعہ کریں، تاکہ یہ مطلب آپ پر واضح ہو جائے، اور میں نہیں چاہتا کہ اس موضوع پر منفی بحث کروں اس آیت کی وضاحت سے بہتر ہے کہ ان آیات و روایات پر بحث کی جائے جو حضرت

علی علیہ السلام اور اہل بیت علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

استاد: نہیں مطلب کو ناقص مت چھوڑو، تم نے کہا ہے کہ اس آیت سے ابو بکر کی

کسی قسم کی افضلیت ظاہر نہیں ہوتی، اس پر دلیل بیان کرو۔

آپ کا عقیدہ ہے کہ آس آیت میں ابو بکر کی فضیلت بیان کی گئی ہے لہذا آپ

استدلال کریں میں نے تو کوئی چیز نہیں دیکھی۔

استاد: خداوند تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ ابو بکر کی نسبت آنحضرت ﷺ کے

ساتھ دی ہے کہ وہ پیغمبر ﷺ کے دوست تھے اور انہیں رسول ﷺ سے دوستی و محبت تھی۔

کسی کا دوست ہونا یہ فضیلت شمار نہیں ہوتی، بعض دفعہ میری بیٹھک ایک

غیر مسلمان اور غیر مومن سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور پھر اس کو صاحب و ہادی سے تعبیر

کرنا۔ صاحب اور یار ہونا کسی قسم کی فضیلت شمار نہیں ہوتی۔ ہاں وہ یاری اور دوستی کی

اہمیت ہوتی ہے جس میں غم خواری ہو، اور یاری یا دوستی اس چیز کا نام ہے کہ یار کی راہ

میں ایثار قربانی دے دینا اور اس کی محبت و دوستی میں فداکاری کا کام یاری ہے، اور وہ

حضرت علی علیہ السلام تھے کہ جو ہر مشکل موقعہ یا مرحلے پر رسول ﷺ کے کام آتے آپ

شب ہجرت آنحضرت ﷺ کے بستر پر سو گئے۔ جب کہ مشرکین ننگی تلواریں لے کر باہر

کھڑے تھے۔ اگر مشرکین آجاتے اور رسول ﷺ کی جگہ پران کو قتل کر دیتے، اور خدا

اپنے رسول ﷺ کو زندہ بچالیتا، تو اس کا نام یاری، دوستی، محبت اور فداکاری ہے اور یہ

ایثار فداکاری اور افتخار و مہابات ہے نہ رسول ﷺ کے ہمراہ سفر کرنے کا نام ایثار ہے۔

میں نے عرض کیا ہے کہ ”دوستی و صاحب“ کا اطلاق نہ فقط دوستوں اور اچھوں

پر ہوتا ہے، بلکہ اس کا اطلاق مشرکین اور کفار پر بھی ہوتا ہے۔ آپ نے آیت قرآن کا

مطالعہ نہیں کیا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

اذ يقول لصاحبه وهو يحاوره اكفرت بالذى خلقك من

تراب۔

یہ ایک ضرب المثل ہے کہ خداوند سورہ کہف میں فرماتا ہے کہ وہ مومن، اس کافر کو جو خدا کو قبول نہیں کرتا، کہتا ہے ”اے میرے دوست! کیا تو کافر ہو گیا ہے؟ جب کہ تجھے خاک سے پیدا کیا گیا“ پھر تجھے ایک نطفہ کے ذریعہ وجود میں لایا گیا کہ تو ایک کامل المخلقت انسان بن گیا۔ یہاں پر اس مومن نے اپنے کافر دوست کو صاحب اور دوست سے یاد کیا ہے، معاف کرنا، نہ کہ خداوند تعالیٰ نے اس کو یار اور دوست کہا ہے۔ پس کلمہ صاحب، دوست یا یار سے انسان کسی قسم کی فضیلت کا حامل نہیں ہو سکتا۔

اب میرا آپ سے سوال ہے کہ وہاں پر ابو بکر روئے کیوں؟ جب کہ ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، انہوں نے حزن و اندوہ اور رونے کی صدا بلند کیوں کی؟

انہیں اتنے وحشت زدہ ہونے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

استاد: تم کیا کہہ رہے ہو رسول خدا ﷺ کے لئے خوف و حزن اور گریہ کر رہے تھے کہ کہیں کفار آنحضرت ﷺ کو نقصان نہ پہنچائیں؟

میں آپ سے ایک اور سوال پوچھتا ہوں، کیا ان کا اس وقت حزن و گریہ کرنا خدا کی خوشنودی کا موجب بنایا ناراضگی کا؟

استاد: واضح ہے کہ خداوند کی خوشنودی و رضامندی کا سبب بنا۔

تو پھر رسول خدا ﷺ نے اس چیز سے منع کیوں نہ کیا کہ جو چیز خدا کی خوشنودی و رضایت کے لئے تھی؟ کیا یہ درست ہو سکتا ہے کہ ایک چیز خدا کی رضایت کا سبب ہو اور رسول خدا ﷺ اس سے منع کریں؟

استاد: کیا مطلب ہے؟

آپ آیت کو پڑھیں کہ پیغمبر ﷺ اپنے ساتھی سے فرما رہے ہیں:

لا تحزن۔

حزن و ملال اور گریہ مت کر۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے رونے سے منع کیا ہے۔ اگر ان کا حزن اور رونا خدا کی رضایت کا موجب تھا تو پھر پیغمبر ﷺ نے رونے سے منع نہ فرماتے؟

دوسرے لفظوں میں اس آیت میں مسئلہ ”سکینہ“ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آرام و سکون فقط پیغمبر ﷺ پر نازل کیا ہے کہ ارشاد ہوتا ہے:

فانزل اللہ سکینة علیہ۔

اس آیت کا مرجع پیغمبر اکرم ﷺ ہیں، کیا بہتر نہ تھا کہ آیت میں علیہ کی بجائے علیہا کا تذکرہ ہوتا؟

ضمیر واحد کا کیوں استعمال کیا گیا، شنیہ ”دو کی“، ضمیر کیوں نہ لائی گئی۔ کیونکہ وہ دو افراد تھے؟ کیا یا رفار آرام و سکون الہی کا سزاوار نہ تھا؟

استاد: ایسے بہت زیادہ مسائل ہیں کہ جو ذات مقدس پیغمبر اکرم ﷺ کے لئے مخصوص ہیں، ان میں آپ کو کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ یہ ”انزال سکینہ“ مخصوص آنحضرت ﷺ کے لئے ہے، لیکن خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں دوسری جگہ پر سکینہ فقط پیغمبر کے لئے مخصوص نہیں کیا، بلکہ اس میں مومنین کرام بھی شریک ہیں:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۗ وَأَنْتُمْ حَنِينٌ لِأَذَىٰ
أَعْرَجْتِكُمْ كَثَرَتَكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمْ
الْأَرْضُ بِمَا رَحَّبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ۝ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ

سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ
تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأُوذِيَ ذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ -

[سورة التوبة: ۲۵-۲۶]

”اور جنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا۔ پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی۔ پھر (آخر) تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ (کے قلب) پر اور دوسرے مومنین کے قلوب پر اپنی (طرف سے) تسلی نازل فرمائی۔“

یہاں پر گنتی سے بھی کم مومنین کا گردہ رسول خدا ﷺ کے ساتھ گیا تھا، اور ان میں سے ایک حضرت علی علیہ السلام بھی تھے، اور چند افراد بنی ہاشم میں فارسی سے رہ گئے تھے اور یہاں تک مجھے یاد آ رہا ہے کہ رسول خدا ﷺ کے ہمراہ اصحاب میں سے جناب سلمان فارسی علیہ السلام، عمار علیہ السلام تھے خداوند تعالیٰ نے ان پر آرام و سکینہ نازل کیا، لیکن آیت یا رفا میں سکینہ فقط رسول خدا ﷺ پر نازل کیا، آپ بتائیے گا کہ کیا وہ افضل تھے یا یہ اصحاب؟ اس بحث کو چھوڑ کر وہ افضل تھے یا علی علیہ السلام، کہ جو پیغمبر ﷺ کے بستر پر چھین و سکون کے ساتھ سو گئے، انہوں نے اپنی جان کے ذریعہ رسول خدا ﷺ کو نجات دی؟

چھوڑ دیجئے ان باتوں کو، حضرت علی علیہ السلام وہ عظیم امام علیہ السلام ورہبر ہیں کہ جس کے قصیدے قرآن نے پڑھے ہیں، اور حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت و برتری سے قرآن و سنت مالا مال ہیں۔ آپ یقین کیجئے کہ ان پر خداوند تعالیٰ کی عنایت خاص اور مورد نظر الہی تھی، اور خداوند تعالیٰ نے آپ کو اپنے رسول ﷺ کا جانشین و وصی بنایا ہے، چاہے

میں، آپ یا کوئی اور اس کو قبول کرے یا نہ کرے؟ خورشید سے روشنی و نور بکھرتا رہے گا چاہے میں اس کو دیکھوں یا نہ دیکھوں۔ استاد نے سر نیچا کر لیا اور گہری سوچ میں ڈوب گئے کہ اتنی دیر میں پریڈ کی گھنٹی بج گئی۔ اور وہ سوچ و بیچارگی وادی سے بارہر نکلے۔ اے کاش! تمام مسلمان استاد کی طرح سوچ و بیچار کرتے اور ان کی طرح طولانی تحقیق و جستجو کرتے تاکہ حق و حقیقت کو پالیتے۔ اور فرقہ ناجیہ کا دامن پکڑ لیتے، اور جس کسی نے آج تک حق کا سیدھا راستہ نہیں دیکھا اس کو چاہئے کہ وہ بچوں اور نیکوں کی تقلید کرے؟

یہ راہ ہی تو صراطِ مستقیم ہے، جس کا جلوہ و نظارہ آنکھیں کر سکتی ہیں، دل ہی تسکین محسوس کر سکتا ہے۔ انحرافی و کجی کی راہ کو اختیار کرنے سے گمراہی و ضلالت کے علاوہ کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ آئیے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے، اور مسلمانوں کو صراطِ حق الہی پر گامزن کیجئے، اور اس جدائی سے ہاتھ اٹھالیجئے۔



حدیث ثقلین کی تحقیق

میں نے استاد سے سلام، دعا اور احوال پرسی کے بعد اپنی گفتگو کا آغاز اس طرح کیا: استاد جی! میری خواہش ہے کہ وہ آیات جو ولایت و خلافت حضرت علی علیہ السلام اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہیں، ان پر بحث و تحقیق کی جائے۔ ایک آیت ولایت پر ہم نے بحث کی ہے اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے ایک حدیث پیش کروں، کہ جو حدیث مشہور اور متواتر ہے اور یہ حدیث مبارکہ ہی حضرت علی علیہ السلام کی خلافت بلا فضل ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ نہ فقط یہ حدیث آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی خلافت پر دلیل قطعی ہے، بلکہ یہ ان کی عصمت و طہارت پر بھی دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ اسکو قرین قرآن قرار دیا گیا ہے، اور ان کی اتباع و پیروی کرنا گویا کہ قرآن کی پیروی ہے۔ اور اہل بیت علیہم السلام کی اتباع سے قرآن کی اتباع کرنا لازم ہے۔

ہماری بحث کے دوران اس حدیث شریف کی طرف کئی دفعہ اشارہ کیا گیا ہے۔ اور یہ حدیث ”ثقلین“ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اور اس پر ہر دو فرقہ کے بڑے بڑے علماء کرام نے اجماع کیا ہے اہل سنت کے بزرگ علماء کرام نے اپنی اپنی صحاح و مسانید میں اس حدیث کو نقل کیا ہے، ابن حجر اپنی شہرہ آفاق کتاب صواعق المحرقہ میں رقمطراز ہیں کہ:

”یہ حدیث کئی طریق سے نقل کی گئی ہے اور اس حدیث کو ہمیں صحابہ نے روایت کیا ہے۔“

[صواعق المحرقة، ص ۲۲۶]

احمد بن حنبل اپنی مسند میں اس طرح نقل کرتے ہیں:

قال رسول الله! انى اوشك ان ادعى فائجيب،
وانى تارك فيكم الثقلين كتاب الله عزوجل
وعترتى، كتاب الله حبل ممدود من السماء
الى الارض، وعترتى لاهل بيتى، وان اللطيف
الخبير اخبرنى انهما لن يفترقا حتى يردا على
الحوض، فانظرونى بما تخلفونى فيهما۔

[مسند احمد بن حنبل ج ۳ ۱۷]

”مجھے پروردگار کی طرف سے دعوت حق کو قبول کرتے ہوئے عنقریب چلے جانا ہے، اور میں تمہارے درمیان دو بھاری اور نفس چیریں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب اور دوسری اپنی عترت، اللہ کی کتاب ایک محکم رسی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف کھینچی ہوئی ہے، اور میری عترت میرے لئے اہل بیت علیہم السلام ہیں اور خدائے لطیف وخبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ہرگز ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ یہ مجھے حوض کوثر پر آن ملیں گے۔ پس میں دیکھتا ہوں کہ میری ان دو یادگاروں کے ساتھ تم کیسے سلوک کرتے ہو.....؟

مسلم نے بھی اپنی صحیح میں اسی طرح لکھا ہے۔

فوراً استاد میری گفتگو قطع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ذرا صبر کرو! تم نے جو کہا ہے کہ یہ روایت مشہور و معروف اور متواتر ہے، میں نے اس کو اس طرح تو نہیں سنا، بلکہ میں نے اس طرح سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”کتاب اللہ و سنتی“ جی ہاں! یہ روایت بعض کے نزدیک سنتی مشہور ہے نہ کہ عترتی! استاد! کیا تم اس حدیث کے مدرک کو جانتے ہو؟

میں آپ کے اس قسم کے اعتراض کا منتظر تھا۔ اولاً یہ روایت اہل سنت کی معتبر کتابوں میں کئی طریقوں سے پائی جاتی ہے اور ایک طریقہ ”اہل بیتی“ وارد ہوا ہے۔ جس طرح میں نے عرض کیا ہے، لیکن بعض لوگوں نے اس روایت میں تحریف کی ہے اور انہوں نے اہل بیت علیہم السلام کی جگہ پرست کو مطرح کیا ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ دشمنی اہل بیت علیہم السلام کا نتیجہ ہے یا اور کوئی چیز ہے جو اس کھلی زیادتی و تحریف کا سبب بنی؟ آپ فرض کریں کہ ایک دو یا دس افراد نے روایت کو ”سنتی“ نقل کیا ہے، جب کہ اس کے مقابل میں روایات کا سیل رواں ہے کہ جنہوں نے ”عِترتی اہل بیتی“ کو مطرح کیا ہے تو پھر اعتراض کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ آپ ذرا تھوڑی دیر کے لئے صبر کیجئے تاکہ میں متن روایت کو چند مسند قطعی اور محکم حوالوں سے نقل کروں، پھر آپ اعتراض کر لیجئے البتہ میں آپ کو حق دیتا ہوں، کیونکہ اس روایت کو مسانید اصلی سے نقل نہیں کرتے، بلکہ ان کتابوں میں روایت پائی جاتی ہے کہ جو آخر اثر میں چھپی ہیں، یہاں تک کہ یہ مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں، یہ اعتراض تو آپ پر ہوتا ہے، معذرت سے عرض کروں گا کہ آپ کے لئے بہتر ہے کہ آپ اپنی مختلف کتابوں میں روایت کو دیکھیں اور مصادر اصلی کی تحقیق کریں، تاکہ آپ کو اس عالم اسلام کے خلاف کی جانے والی دھاندلی نظر آجائے۔ میں نے سنا ہے کہ جامع الازہر مصر میں کر معبر کتابوں میں

تحریف کی گئی، اور حدیث و سنت کے مصادر اصلی کو کتابوں سے نکالنے کی کوشش کی گئی، اور اسی بخاری و مسلم میں شہرت کے باوجود تحریف کر دی گئی۔

استاد: اولاً! میں جامع الازہر کے اس قصہ سے مطلع نہیں ہوں۔ اور احتمالاً ان پر یہ الزام اور تہمت کہیں نہ ہو؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ جو آپ نے ذکر کیا ہے میں اپنی کتابوں سے بے اطلاع نہیں ہوں۔ اور یہ روایت ”مستدرک حاکم“ میں نقل کی گئی ہے۔ اور وہاں پر واضح ”کتاب و سنن“ کا ذکر ہوا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ”مستدرک حاکم“ اہل سنت کی معتبر اور صحیح کتابوں میں سے ہے۔ اگر دوسروں نے نقل کیا ہے تو اس سے نقل ہے نہ کہ انہوں نے تحریف کی ہے۔

آپ ناراحت نہ ہوں۔ معذرت چاہتا ہوں۔ میں نے جامع الازہر والی جو بات کی ہے وہ میں نے سنی ہے۔ اور اس کے متعلق مجھے دقیق معلوم نہیں ہے۔ البتہ علماء الازہر میں سے ایک مشہور و معروف عالم ”محمود ابوریہ“

مرحوم ابوریہ اہل سنت کے بزرگان میں سے ہیں، وہ پہلے جامع الازہر میں تھے انہوں نے ابوپریرہ کے متعلق ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے کہ یہ کتاب بڑی استنباط اور ابوپریرہ کے متعلق جامع ہے اور ابوریہ نے بڑی محنت شاقہ اور دل جمعی کے ساتھ ابوپریرہ کے متعلق معلومات اکھٹی کی ہیں ابوریہ کو بعد میں جامع الازہر سے اس کتاب کی وجہ سے نکال دیا گیا اور انہوں نے آخری عمر میں بڑی سختی، تنگ دستی دیکھی اور انہیں ملک بدر کر دیا گیا مجھے یاد ہے کہ والد مرحوم رضوان اللہ علیہ نے انہیں کئی مرتبہ کویت سے پیسے بھیجے اور انہیں راہ خدا میں صبر کرنے کی تلقین کی خدا ان پر رحمت کرے اور انہیں اہل بیت کے ساتھ محشور فرمائے [

جو کہ اہل سنت مصر کے بزرگ علماء میں سے ہیں اور انہوں نے کافی تحقیقی کام کیا

ہے۔ ان کے رشتہ دار نے مجھے یہ بات بتائی ہے۔

آپ روایت کی سند سے آگاہ ہیں، یہ میرے خوشی کی بات ہے۔ البتہ میں آپ کی وسعت اطلاع اور آگاہی کتب کو جانتا ہوں کیونکہ یہ طبعی امر ہے کہ میں نے اہل سنت کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور ان کی تحقیق و جستجو کی ہے، کیونکہ میرے لئے اہل سنت کی معتبر کتابوں کا مطالعہ کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ ہم استدلال ان کتب سے کرتے ہیں، لیکن میری آپ سے خواہش ہے کہ آپ اپنی کتابوں کا دقیق مطالعہ کریں اور عمیق نگاہوں سے تحقیق کریں، اور یہی روایت جو مورد نظر ہے اور آپ نے اس کی سند ”سننی“ کو ”مستدرک حاکم“ سے دیکھا ہے۔ جب کہ ”صحیح مسلم“ میں ”اہل بیتی“ ذکر کیا گیا ہے، اور یہ ”مستدرک حاکم“ سے مراتب کے لحاظ سے معتبر اور اہم تر ہے۔ اور دوسرے مصادر میں کلمہ ”سننی“ فقط آیا ہے اور فقط ”مستدرک حاکم“ میں نقل ہوا ہے۔ پس اجماع ”اہل بیتی“ پر ہے۔ اور یہ روایت حدیث کی بڑی بڑی کتابوں میں ذکر کی گئی ہے ”سننی“ کو اس کی جگہ پر ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں پر پھر تکرار کرتا ہوں، لوگوں نے دھاندلی کے ذریعے عالم اسلام کے خلاف سازش کرتے ہوئے ان روایات کو حذف کیا ہے جو اہل بیت علیہم السلام سے مربوط تھیں۔ لیکن وہ اپنے ہدف اور مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے، کیونکہ آج ترقی و تحقیق کا زمانہ ہے، اور لوگوں کو زبردستی کتب اور مذہب کی پیروی کرنے سے روکا نہیں جاسکتا۔

لا اکر افی الدین قد تبیین الرشید من الغی۔

پھر ہم نے اس روایت کی اسناد اور مطالب کے لئے معتبر کتابوں کی طرف رجوع کیا تاکہ اس موضوع پر تفصیلی علمی بحث ہو سکے:

صحیح مسلم نے زید بن ارقم سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

چونکہ اوائل بحث میں اہل سنت کے نسخہ میں تناقض پایا جاتا تھا وہاں پر

اشارہ کیا تھا کہ انہوں نے ”عترتی“ کہ جگہ پر ”سنتی“ کو لائے ہیں لہذا استاد روایات کے پیچھے تھے اور انہوں نے یہ روایت مستدرک حاکم سے لکھی ہے [

قام رسول اللہ فینا خطیباً بماء یدعی خُماً بین
مکہ ومدینۃ، نحمد اللہ واثنی علیہ ووعظ و ذکر
ثم قال اما بعد، الا ایہا الناس فانما انا بشر یوشک
ان یاتی رسول ربی فاجیب، وانی تارک فیکم
الثقلین کتاب اللہ فیہ الہدی والنور، فخذوا
بکتاب اللہ واستمسکواہ، فحث علی کتاب
اللہ ورغب فیہ، ثم قال؛ واهل بیتی، اذ کر کم
اللہ فی اهل بیتی اذ کر کم اللہ فی اهل بیتی۔

[صحیح مسلم ج ۷، ص ۱۲۲، سنن الکبریٰ بیہقی ج ۲، ص ۱۴۸، مصابیح السنۃ، ج ۲ ص ۲۷۸]

”رسول خداؐ نے ”خُم“ کے پانی کے نزدیک ”جو مکہ و مدینہ کے درمیان واقع ہے“ کھڑے ہو کر ہمیں خطبہ دیا۔ آپ نے حمد و ثنائے باری تعالیٰ بجالانے اور مواعظ و نصیحت کرنے کے بعد فرمایا:

اے لوگو! میں بھی ایک انسان ہوں، اور پروردگار کی طرف سے
”عزرائیل علیہ السلام پیغام لے کر آئے ہیں اور میں عنقریب اس دعوت کو
لیک کہنے والا ہوں، اور میں تم میں دو بھاری سنگین اور گراں بہا چیزیں
چھوڑے جا رہا ہوں، کتاب خدا جو ہدایت و روشنی ہے پس تم کتاب خدا کا
دامن پکڑ لو اور اس سے تمسک رکھو، راوی کہتا ہے: آپ نے لوگوں کو

قرآن کے متعلق تشریح و ترغیب دلائی اور پھر کہا اور میری اہل بیت علیہم السلام تمہیں خدا کی قسم میری اہل بیت علیہم السلام کو فراموش نہ کرنا۔ خدا کی قسم میری اہل بیت علیہم السلام کو فراموش نہ کرنا۔“

سنن ترمذی نے سند صحیح کے ساتھ اپنی کتاب میں جابر بن عبد اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

”رسول خدا ﷺ نے مراسم حج میں عرفہ کے روز ایک خطبہ ارشاد فرمایا جب کہ آپ اونٹ پر سوار تھے۔“

اے لوگو! میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم نے ان سے تمسک رکھا تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

کتاب اللہ و عترتی اہل بیٹی۔

”کتاب خدا اور میری عترت جو کہ اہل بیت علیہم السلام ہیں۔“

ترمذی کا کہنا ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ، ابو سعید رضی اللہ عنہ، زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ نے بھی اس طرح روایت نقل کی ہے۔

[سنن ترمذی، ج ۲ ص حدیث ۳۰۸ حدیث ۳۷۸۸]

اسی طرح ترمذی نے اس روایت کے بعد زید بن ارقم سے اس عبارت کے ساتھ روایت نقل کی ہے:

انى تارك فيكم ما ان تمسكتم به لن تصلوا
بعدي، احدهما اعظم من الاخر، كتاب الله
حبل ممدود من السماء الى الارض، وعترتي
اهل بيئتي ولن يفترقا حتى يردا على الحوض،

فانظرونی کیف تخلفونی فیہما۔

[ہمان منبع سابق]

”میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم نے ان سے تمسک رکھا، میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے یہ ایک دوسرے سے عظیم تر ہیں کتاب خدا آسمان سے زمین کی طرف کھنچی ہوئی رسی ہے، اور میری عمرت ”اہل بیت علیہم السلام“ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھے آن ملیں گے، پس دیکھتا ہوں کہ میرے بعد ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔“

”صواعق المحرقہ“ میں ابن حجر نے اس حدیث پر ایک جملہ کا اضافہ کیا ہے:

”ہرگز ان سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور ان کی نسبت کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے، اور میری اہل بیت کا احترام کرنا، کیونکہ یہ تم سے اعلم ہیں۔“

[صواعق المحرقہ ص ۱۴۸]

اتفاقاً حاکم نے مستدرک کی تیسری جلد کے ص ۱۰۹ میں اس روایت کو تفصیل سے

ذکر کیا ہے، اور اس نے حدیث کے آخر میں اضافہ کیا ہے:

رسول خدا ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

اتعلمون انی اولی بالمؤمنین من انفسہم؟

”کیا تم جانتے ہو کہ میں مؤمنین کی جان و مال سے زیادہ حاکم ہوں؟“

عرض کرنے لگے: جی ہاں! یا رسول اللہ ﷺ پھر آپ نے فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْ مَوْلَاهُ۔

[مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۰۹]

”کہ جس کا میں مولا ہوں، اس کا علیؑ علیہ السلام مولا ہے۔“
کنزل العمال میں ابن جریر نے بھی ابوالطفیل سے نقل کیا ہے۔

[کنز العمال، ج ۶، ص ۱۳۹۰]

نسائی نے اپنی خصائص میں اسی حدیث کو عند یرخم کی حدیث کے ضمن میں زین
ارقم سے نقل کیا ہے۔ [خصائص نسائی، ص ۲۱]

یہ حدیث کی چند معروف اسناد تھیں۔ اور دوسری کتابوں میں بھی اس حدیث کو
نقل کیا گیا ہے اور یہاں پر ان کی بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ اجمالاً عرض خدمت ہے کہ
یہ حدیث شیعہ اور سنی ہر دو کے نزدیک حد تو اترا تک پہنچی ہوئی ہے، مذہب اہل بیت علیہم السلام
کی حقانیت کے لئے یہی حدیث کافی و وافی ہے کیونکہ آفتاب کی روشنی و حرارت ظلمت
کدہ بھان کو روشنی دیتی ہے اور یہ روشنی حق و راہ کے متلاشیوں کے لئے راہنمائی کرتی
ہے اور حق و حقیقت کو واضح کرتی ہے۔

آؤ پاک صاف قلب کے ساتھ در اہل بیت علیہم السلام پر جھک جائیں، اس
روایت پر عمل کرتے ہوئے مذہب اہل بیت کی حقانیت کو تسلیم کر لیں۔ اور تمام مذہبی
وغیر مذہبی تعصبات سے چھٹکارا حاصل کر لیں۔ اپنے والدین کے عقیدہ پر عمل کرتے ہو
جو حق کو نہ پاسکے، اور اس حدیث پر عمل نہیں کرتے جو.....؟ مقدر کی بات ہے، فکر کرو۔
غور و غوض کرو تا کہ کسی نتیجہ پر پہنچ سکو، اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ آپ نے زندگی کا ایک حصہ
بغیر جستجو و تلاش کے گزار دیا ہے، اور آپ ادھر ادھر سرگرداں رہے۔ جب کہ رسول
اکرم ﷺ نے آپ کے لئے ایک راستہ جن رکھا ہے اس پر چلیے تاکہ وہ آپ کی
راہنمائی کر سکیں۔

رسول خدا ﷺ جو کہ رؤف و مہربان نبی ﷺ ہیں۔ ایسا رسول ﷺ جن کی رحمت کے

فیوض و برکات تمام امت کے لئے ہیں۔ جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے سردار ہیں، جو حکیم امت ہیں جو قیامت تک نبی و رسول ﷺ ہیں۔ کیا وہ امت کو بغیر کسی ہادی و راہنما کے چھوڑ کر چلے جائیں گے اور انہوں نے لوگوں کو راہِ حق کی ہدایت نہ کی ہوگی؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول خدا ﷺ لوگوں کو بغیر کسی وصیت اور سفارش کے چھوڑ کر چلے جائیں؟ اور اپنے خلیفہ و جانشین اور ولی کا تعارف و پہچان نہ کروائیں؟ پیغمبر اکرم ﷺ اپنی اس سفارش اور وصیت سے چاہتے تھے کہ اپنے اصحاب و یاران کو سمجھا سکیں کہ اگر تم نے ہدایت و راہنمائی کی راہ پر ہمیشہ گامزن رہنا ہے تو پھر تم میرے ان دو جانشینوں ”قرآن و اہل بیت“ سے حسد رکھنا، تاکہ تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہلاکت و گمراہی سے محفوظ ہو جاؤ۔ اور آنے والی نسلوں کو بتا دینا کہ میرے ان دو جانشینوں کے بغیر حق تک نہیں پہنچا جاسکتا۔

اگر تم حق و حقیقت کی بلند عمارت اور قلعہ ایمان کی بلندی پر چڑھنا چاہتے ہو تو پھر اطمینان کے ساتھ قدم رکھیں، وگرنہ تمہارے قدم پہلے زینے پر ڈگمگائیں گے اور تم ہلاکت و گمراہی کی وادی میں جا گرو گے۔

اگر آپ احکام الہی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر قرآن کو اچھی طرح درک کریں اور مفسرین حقیقی، اہل ذکر اور پیغمبر اکرم ﷺ کے واقعی و حقیقی جانشینوں سے مدد حاصل کریں اور ان کی طرف بڑھے بغیر رہنا اور بہر تلی بخش کے ایک قدم بھی اٹھانے کی ناکام کوشش نہ کرنا۔ وگرنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

اگر آپ انحراف و لغزش سے ہمیشہ کے لئے محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو پھر اسرار کتاب خدا کو اس شخص سے حاصل کریں جس کے پاس ”علم الکتاب“ ہو اور نجات و رستگاری کی کشتی ہو۔ ان کا دامن پکڑیں۔ مبادا کسی اور کے پیچھے نہ جانا، مبادا ان سے

آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا، اور مبادا کہیں ان کے مبارک دامن سے ہاتھ نہ اٹھانا۔ یہ ہستیاں تو تالی تلو قرآن اور معصوم عن الخطاء ہیں: کیا پیغمبر اکرم ﷺ نے قرآن کے ہمراہ ان کا ذکر نہیں کیا ہے؟

کیا خدائے رحمان نے ان ”اہل بیت علیہم السلام“ سے ہر قسم کی کی پلیدی اور نجاست کو دور نہیں رکھا، اور ان کو پاک و طاہر قرار نہیں دیا ہے؟ کیا یہ پیغمبر ﷺ کی رسالت اور زحمات کا اجر نہیں ہیں؟ کیا رسول خدا ﷺ نے وصی کے ذریعہ ان کا اعلان نہیں کیا ہے کہ

لَا أَسْأَلُكَ عَلَيْهِ اجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ۔

”میں تم سے اجر رسالت کا سوال نہیں کرتا مگر اپنے رشتے داروں

اہل بیت علیہم السلام کی محبت و مودت کا۔“

کیا رسول خدا ﷺ کے مودت و محبت کے سوال پر آپ نے بلیک یا رسول اللہ ﷺ کہا ہے؟ کیا آپ جس کی پیروی کر رہے ہیں اس کی مودت صادق نہیں ہے؟ اگر نہیں تو پھر کیوں نہیں؟ کیا تیسری نسل کا وجود بھی ہے؟ پس قرآن و اہل بیت علیہم السلام کے علاوہ پیغمبر ﷺ کا کوئی اور حقیقی جانشین ہو سکتا ہے؟ اگر ہم نے ان دونوں سے تمسک رکھا تو پھر کامیاب، وگرنہ ”جس راہ پر آپ چل رہے ہیں یہ رستہ تو قبرستان کو جاتا ہے۔“

کتاب و عمرت تو یاران با وفا اور منافقین کی درمیان علامت ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے ویسے ہی حضرت علی علیہ السلام کو یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ

مَا يَحْبِبُكَ إِلَّا مَوَدَّةٌ وَمَا يَبْغِضُكَ إِلَّا مَنَافِقٌ۔

”تجھ سے فقط مومن محبت کرے گا اور منافق بغض رکھے گا۔“

قرآن و عترت ہر دو باہم چلیں گے، کہ کیونکہ عترت، زبان ناطق قرآن ہے اور اگر عترت نہ ہو تو پھر پیغمبر ﷺ کے بعد ہم قرآن کے مطالب کو کیسے سمجھیں گے، محکم و متشابہ کو ایک دوسرے سے کیسے تشخیص دے سکیں گے، اور ناخ و منسوخ کو کیسے پہچان سکیں گے.....؟

اور یہ کتاب و عترت ہی باہم مل کر ہمارے مسائل اور مشکلات کو حل کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی اس دنیا سے کامیاب لوٹنا چاہتا ہے کتابی و اجتہادی رائے دیتا ہے۔ اور فتویٰ دیتا ہے اور اپنے آپ کو مبین قرآن سمجھتا، اور لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا کرتا ہے تو یہ وہی آئمہ تھے جو خواہشات نفسانی کی خاطر ظالم و جابر بنی امیہ و عباسیہ کے حکمرانوں کا دفاع کرتے تھے، ان کی کاسہ لیس کر تے تھے۔ ان کو راضی و خوش کرنے کے لئے جھوٹی اور جعلی روایتیں گھڑتے تھے۔ ان کو سنت پیغمبر اکرم ﷺ میں وارد کرتے تھے، ان پر کیسے اور کس طرح اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ جس جگہ حق کا امام علی علیہ السلام تشریف فرما ہوں وہاں پر معاویہ کی کیسے پیروی کی جائے؟ اگر کسی جگہ حق ہو تو وہاں پر باطل کی کیسے پیروی کی جاسکتی ہے؟

پس یہ غفلت و نادانی ہے! پس یہ خود فراموشی ہے! پس یہ پیغمبر اکرم ﷺ کی سفارش کو دیدہ و دلیری سے چھوڑنا ہے! آپ کس منہ سے اپنے آپ کو محمد ﷺ کے پیرو سمجھتے ہیں، جب کہ جو آپ کی خواہشات نفسانی چاہتی ہیں انجام دیتے ہیں؟ بعض احکام کو قبول کرتے ہیں اور بعض کو قبول نہیں کرتے خدا نہ کرے کہ اس آیت کے مصداق بن جائیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُقْرِئُوا آيِنَ اللَّهِ
وَرَسُولِهِ وَيَقُولُونَ نُوْمُنُ بِبَعْضٍ وَنُكْفِرُ بِبَعْضٍ، وَرِيدُونَ أَنْ

يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا - أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا،

وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا - (سورہ نساء: ٤٣)

”جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ

اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور اس کے رسولوں کے درمیان میں فرق

رکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر

ہیں۔ اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں۔ ایسے لوگ یقیناً

کافر ہیں۔ اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔“

یہ کافر پیغمبروں کے درمیان اختلاف کرتے تھے اور ہم پیغمبروں ﷺ کے کلام

و سخن کے درمیان اختلاف کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اگر خدا اور اس کا رسول ﷺ ہم سے

کسی امر کا تقاضا کرتے ہیں تو پھر ہمیں اس کی تاویل نہیں کرنی چاہیے، فوراً کاملاً

اطاعت کرنی چاہئے۔ اور اپنی رائے نہیں دینی چاہئے، لیکن بڑے افسوس کی بات ہے

کہ بعض دفعہ پیغمبر اکرم ﷺ کی گفتگو کی مخالفت کی گئی، اور آپ کی بات کو کاٹ دیا گیا

اور آپ پر ہذیان کی تہمت لگا دی گئی۔

یہی روایت کہ جس پر ہم بحث کر رہے ہیں، اس پر آپ دقت کریں کہ اکثر حدیث کی

کتابوں میں نقل کیا گیا ہے اور اس کی عبارت ”وَعَثَوْنِي أَهْلُ بَيْتِي“ نقل کیا گیا ہے۔ لیکن

آج آپ اہل سنت کی جس کتاب میں دیکھیں گے وہ ”سنن“ کو لکھیں گے کیا یہ تاقض گوئی

نہیں ہے؟ یہ تحریف ہے یہ اہل سنت کے علماء حدیث کے اجماع کی واضح مخالفت ہے۔

استاد: جو کہ سرینچے کر کے بڑی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے کافی دیر کے

بعد انہوں نے سر کو بلند کیا اور کہنے لگے: یہ تم نے جو روشن واضح مصادر و اسانید نقل کی

ہیں ان میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش باقی نہیں ہے۔ واضح ہے کہ وہ ”عسرتی“ کی جگہ

”سنٹی“ کو لائے ہیں۔ شاید کسی ایک شخص نے کسی وجہ سے یا غفلت و نادانی سے کیا ہو، اور اس کے بعد ہزار افراد نے اسکی پیروی کی، بہر کیف میں تسلیم کرتا ہوں کہ حق تمہارے ساتھ ہے، لیکن جو میرے ذہن میں سوال کھٹک رہا ہے کہ اہل بیت علیہم سے مراد کون کون ہیں؟ کیا یہ امام علیہم ہیں جن کے تم قائل ہو یا ان کے علاوہ بھی؟ اور آپ آیت تطہیر ”انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اہل بیت علیہم ویطہرکم تطہیرا“ کو فراموش نہ کریں کہ یہ پیغمبر ﷺ کی زوجات سے مربوط ہے یا پیغمبر ﷺ کی زوجات اہل بیت علیہم کے ہمراہ؟

اس سوال کا جواب دوسری بیٹھک ”Sitting“ پر موقوف ہو گیا کیونکہ کافی دیر

ہو چکی تھی۔



آٹھواں منظرہ

اہل بیتؑ کون ہیں؟

بدھ کے روز ہماری بحث نہ ہو سکی، کیونکہ استاد چھٹی پر تھے، اور ایک ہفتہ کے بعد اتوار کے روز ہماری دلچسپ بحث ثقلین کے موضوع پر دوبارہ شروع ہوئی، خداوند کریم کے نام سے بحث کا آغاز کیا۔

استاد! آج میری خواہش ہے کہ اہل بیت علیہم السلام اور ان کی شناخت کے بارے میں بحث کی جائے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کی محبت و مودت آتش جہنم سے دوری کا سبب ہے، اور اہل بیت علیہم السلام کی مودت و دوستی پل صراط سے گزرنے کا پاسپورٹ ہے، حافظ حموی فرائد السمطين میں روایت کو رسول اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

معرفة آل محمد براءة من النار وحب آل محمد حواز

علي الصراط والولاية لآل محمد امان من العذاب۔

[فوائد السمطين صواعق المرقه ص ۲۳ ینابیع الموده قندوزی حنفی باب

ص ۵۶ (۲۸۶)

”شناخت آل محمد ﷺ جہنم کی آگ سے برات ہے اور آل محمد علیہم السلام کی

ولایت عذاب الہی سے امان ہے۔“

اے استاد محترم! آل محمد ﷺ نبوت کا درخت، اور امت محمد ﷺ کے لئے باعث

﴿آل زبور نے جنس کیوں؟﴾

رحمت، اور فرشتگان الہی کے لئے اتر پورٹ ہیں۔ اہل بیت اطہار علیہم السلام ایک ایسا پاک درخت ہیں کہ ”اصلها ثابت و فرعها فی السماء“ کہ جس کی جڑیں زمین میں اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ سیوطی اپنی کتاب در المنشور کی ج ۱۵ اور ص ۱۹۹ پر آیت تطہیر کے ذکر کے بعد رسول اکرم ﷺ سے نقل کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

نحن اهل البيت الذين طهر بهم الله، ما من
شجرة النبوه وموضع الرسالة ومختلف الملائك
وبیت الرحمة ومعدن العلم۔

”ہم اہل بیت علیہم السلام کو خداوند تعالیٰ نے رحمت و ولیدگی سے پاک و طاہر رکھا، ہم شجر نبوت بھی ہیں اور جایگاہ رسالت بھی، اور ہمارے گھر میں فرشتوں کی ہر وقت آمد و رفت رہتی ہے اور ہمارا گھر علم و فضیلت کی کان بھی ہے، اور رحمت کا گھر بھی ہے۔“

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے بیچ البلاغہ کے خطبہ ۱۰۸ میں اسی

طرح کا ایک ارشاد فرمایا ہے:

نحن شجرة النبوة ومحط الرسالة ومختلف
الملائكة ومعدن العلم وینایع الحكم۔ ناصرنا
ومحبنا ينتظر الرحمة وعدونا ومبغضنا ينتظر
السطوة۔

”ہم شجر نبوت، مرکز رسالت، اتر پورٹ فرشتگان الہی، علم و دانش کی کانیں، حکمت و دانائی کے چشمے ہیں، ہمارے دوست اور ہماری محبت رکھنے والے رحمت الہی کے منتظر ہیں اور ہمارے دشمن عذاب الہی سے

پیوستہ منظر کھڑے ہیں۔“

خطبہ ۹۳ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

عترتہ خیر العتر و اسرتہ خیر الاسر و شجرتہ
خیر الشجرۃ۔

”عترت والہا بیت علیہ السلام ختمبر تمام عترتوں سے بہتر، خاندان
رسول ﷺ تمام خاندانوں سے افضل و برتر اور شجر رسول ﷺ تمام
شجروں اور انساب سے افضل ہے۔“

اے استاد! یہ وہی اہل بیت رسول خدا ﷺ تو ہیں کہ آپ پر ہر نماز میں کہ
رسول خدا ﷺ کے نام کے بعد ان پر درود و صلوات بھیجا جاوے، کیا تم نماز میں
تہجد کی حالت میں یہ نہیں کہتے:

اللہم صلی علی محمد و علی آل محمد کما

صلیت علی ابراہیم و آل ابراہیم “

”اے خدایا، محمد و آل محمد پر اسی طرح درود بھیج جس طرح ابراہیم علیہ السلام اور

اس کی اہل بیت علیہم السلام پر بھیجا۔“

کیا بخاری نے اہل بیت اطہار علیہم السلام کے ساتھ دشمنی و عداوت کے باوجود
ان کی عصمت و طہارت کی گواہی نہیں دی، جب کہ وہ اس آیت ان اللہ و ملائکہ
یصلون علی النبی کی تفسیر کر رہا تھا، تو اس نے ختمبر اکرم ﷺ سے ایک روایت نقل
کی ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ مجھ پر اس طرح درود بھیجا کرو۔

اللہم صلی علی محمد و علی آل محمد، کما

صلیت علی ابراہیم و آل ابراہیم انک حمید

مجید، اللہم بارک علی محمد وآل محمد كما
بارکت علی ابراہیم وآل ابراہیم انک حمید
مجید۔

[صحیح بخاری، ج ۴ ص ۴۶ کتاب بدء الخالق و کتاب التفسیر ج ۶ ص

۱۲۰ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۶ کتاب الصلوة سیوطی در المشور ج ۵ ص ۲۱۵]

یہ ایسی عظیم ہستیاں ہیں کہ جن کی عظمت اور فضائل کے قصیدے شافعی مذہب کے رئیس امام
شافعی نے پڑھے ہیں۔ انہوں نے اہل بیت اطہار علیہم السلام کی شان میں کافی اشعار کہے
لیکن ہم ذیل میں ان کے دو مشہور اشعار پر ہی اکتفاء کرتے ہیں وہ کہتے ہیں:

یا آل بیت رسول اللہ حکم
فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
کفاکم من عظیم القدر انکم
من لم یصل علیکم لا صلوة له

اے خاندان رسول خدا ﷺ! تمہاری دوستی و مودت فرض و واجب ہے اور

خداوند نے قرآن مجید میں اس کی طرف حکم کیا ہے۔

تمہارے لیے یہ فخر و عظمت کافی نہیں ہے کہ جو شخص تم پر نماز میں درود و صلوة

نہ بھیجے اس کی نماز باطل ہے۔

استاد! تم نے اشعار کی شافعی کی طرف جو نسبت دی ہے کہ اہل بیت علیہم السلام

سے دوستی و محبت قرآن میں واجب قرار دی گئی ہے، اس نے کس آیت میں دیکھا ہے؟

[مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۲۳]

شافعی نے اہل بیت کی مدح میں کافی اشعار کہے نہیں اور اس کے دوسرے

اشعار ”دیوان الامام الشافعی“ میں ذکر کئے گئے ہیں جنہیں محمّد عقیق

الزعبی نے جمع کئے ہیں، اور یہ کتاب بیروت میں چھپی ہے من جملہ اس کے تین اشعار بہت مشہور اور زیبا ہیں |

”اگر کسی مجلس میں ان پاک ہستیوں، حضرت علیؑ اور آپ کے دو فرزند ارجمند ”حسن و حسینؑ اور فاطمہ زہراءؑ کا ذکر ہو جائے تو بے معرفت لوگ جن کے بدن میں دشمنی اہل بیت چلتی رہتی ہے کہتے ہیں کہ ایسی گفتگو نہ کیا کریں کیونکہ یہ رافضیوں کی حدیث ہے۔“

یہ دو شعر بہت مشہور و معروف ہیں اور ان اشعار کو دوسرے لوگوں کے ساتھ ایام احمد بن حنبل نے اپنی مسند (1) میں ان کو نقل کیا ہے البتہ ان کی نگاہ میں سورہ شوریٰ کی تیسویں آیت ہے کہ خداوند ارشاد فرماتا ہے:

قل لا اسالکم علیہ اجر الا المودۃ فی القربی۔

”اے رسول ﷺ کہہ دیجئے! کہ میں تم سے اجر رسالت کا کچھ نہیں مانگتا سوائے اپنے قریبوں اور اہل بیت علیہم السلام کی مودت و محبت کے۔“

استاد: پیغمبر ﷺ کے رشتہ داروں سے کون لوگ مراد ہیں؟ یہاں پر تو بطور مطلق آیا ہے۔ یقیناً پیغمبر ﷺ کی زوجات اس آیت میں شامل ہوں گی۔

ہرگز ایسا نہیں ہے! کیونکہ پیغمبر ﷺ خود مشر و مبین قرآن ہیں، آپ نے ان کا تعارف کروایا ہے اور وہ چار ہستیاں ہیں۔

طہرانی، انحر دوہیہ، شبلی، احمد بن حنبل، ابو نعیم، ابن المغازلی اور دوسرے لوگوں نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اس کا کہنا ہے:

لما نزلت هذه الآية، قيل: يا رسول الله! من

قرابتك هؤلاء النذین وجبت علينا مودتهم؟

فقال 'علی و فاطمة و ابناهما۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول خدا ﷺ سے سوال کیا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں کہ جن کی مودت و محبت رکھنا ہمارے لئے واجب قرار دیا گیا ہے؟

آپ نے فرمایا: علی علیہ السلام و فاطمہ علیہم السلام اور ان کے دو فرزند
”حسن علیہم السلام و حسین علیہم السلام۔“

اس سے بڑھ کر حافظ کنجی نے اپنی کفایہ میں حافظ ابو نعیم سے ایک جالب روایت نقل کی ہے:

قال جابر بن عبد الله: جاء اعرابي الى النبي وقال: يا محمد اعراض علي السلام فقال: تشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمداً عبده ورسوله قال: تنسالي عليه اجراء؟ قال: لا، الا المودة في القربى - قال: قربتي او قرابتك؟ قال: قرانتى قال: هات انا بعك، فعلى من لا يحبك ولا يحب قرابتك، لعنة الله - فقال النبي: آمين -

جابر بن عبد اللہ انصاری نقل کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا:

اے محمد ﷺ! آپ اسلام کی وضاحت کریں۔

پیغمبر! تم گواہی دو اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اعرابی: کیا آپ اس امر رسالت کا کوئی اجر بھی چاہتے ہیں؟

پیغمبر: نہ، فقط اپنی اہل بیت ذوی القربی کی محبت۔

اعرابی: میرے رشتہ دار یا آپ کے رشتہ دار

پیغمبر: میرے رشتہ دار۔

اعرابی: اے پیغمبر ﷺ! اپنے ہاتھ کو مجھ سے دیتے تھے تاکہ میں آپ کی بیعت

کروں، پس جو شخص آپ سے اور آپ کے اہل بیت علیہم سے محبت نہ

کرے خدا اس پر لعنت کرے۔

پیغمبر: آمین

فخری رازی اپنی تفسیر کی ساتویں جلد کے ص ۳۹۰ پر رقم طراز ہیں:

میں کہتا ہوں کہ آپ محمد ﷺ وہی لوگ ہیں کہ جن کی طرف آپ کا حکم

لوٹتا ہے اور جن کی شکل و صورت اور شکاں پیغمبر اکرم ﷺ سے ملتی ہیں، وہ

فقط اہل بیت علیہم رسول ﷺ ہیں اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں

ہے کہ ”فاطمہ علیہم، علی علیہم، حسن علیہم اور حسین علیہم کا رسول ﷺ

سے زیادہ رابطہ و تعلق ہے۔ اور یہ ہم تک تو اتر کی حد تک پہنچا ہے پس یہ بد

یہی امر ہے کہ اہل بیت علیہم آپ کی آل ہیں ان کے علاوہ بس۔

میں اس سے بڑھ کر کہتا ہوں کہ یہ خداوند تعالیٰ کے صراط مستقیم ہیں۔ ہر روز نماز

میں سورہ الحمد کی تلاوت کرتے وقت خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمیں اس صراط کی رہنمائی

و ہدایت کر ”اهدنا الصراط المستقیم“۔

کتاب ذخائر العقبیٰ کے ص ۱۶ پر رسول خدا ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ

نے فرمایا:

انا و اهل بیتی شجرة فی الجنة و اغصانها فی

الدیناء، فمن تمسك بنا اتخذ الی ربہ سبیلا۔
 ”میں اور میرے اہل بیت علیہم السلام بہشت کا شجر ہیں، اس کی شاخ اور پتے
 دنیا میں ہیں۔ پس جس نے ہم سے تمسک رکھا اس نے پروردگار کے
 راستہ کو پایا۔“

ثعلبی ”الکشف والبیان“ میں ”اهدنا الصراط المستقیم“ کی تفسیر کرتے
 وقت مسلم بن حیان سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے ابو ہریرہ سے سنا ہے کہ جو
 کہتا ہے:

”اس سے مقصد، صراط محمد و آل محمد ہے۔“

اس سے بھی بڑھ کر میں عرض کروں گا کہ حاکم حکافی نے اپنی کتاب ”شواہد
 التنزیل“ میں چند طریق سے رسول خدا ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان الله خلق الانبياء من اشعار شتى وخلقني
 من شجرة واحدة، فانا اصلها وعلى فرعها،
 وفاطمة لقاحها، والحسن والحسين ثمرها،
 فمن تعلق بغضن من اغصانها نجا، ومن زاغ
 عنها هوى، ولوان عبدا عبد الله بين الصفا
 والمروة الف عام ثم الف عام ثم الف عام شم
 لم يدرك صحبتنا، اكبہ الله على منخریه فی
 النار۔ ثم تلا“

”قل لا أسئلكم عليه اجراً الا المودة فی القربى۔
 ”اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو گونا گوں درختوں سے پیدا کیا ہے اور مجھے

درخت مخصوص سے پیدا کیا ہے، میں اس درخت کی جڑ اور علیؑ اس کی شاخ، اور فاطمہؑ اس کی پتے اور حسنؑ و حسینؑ اس درخت کا ثمر ہیں۔ پس جس نے بھی اس کی ٹہنیوں میں سے کسی ایک کو پکڑ لیا وہ کامیاب و کامران ہو گیا، جو اس سے دور ہو گیا وہ ہلاک ہوا، اگر کوئی بندہ، خدا کی عبادت صفا و مردہ کے درمیان ہزار سال کرے، پھر ہزار سال کرے اور پھر ہزار سال عبادت الہی بجالائے لیکن اس کو ہمارے ساتھ محبت نہیں ہے۔ خداوند اس کو جہنم کی آگ میں اندھے منہ گرائے گا۔ پھر اس کے بعد آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی

”قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ۔“

[حاکم حسکانی ”درشواہد لتزیل“ کنجی درکفایہ ص ۱۷۸]

اے استاد! طبرانی اپنی تفسیر الاوسط میں امام حسین علیہ السلام سے نقل کرتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الزموا مودتنا اهل البيت، فانه من لقي الله عزوجل وهو يودنا دخل الجنة شفا عتنا۔
والذي نفسى بيده لا ينفع عبداً عمله الا بمعرفة حقنا۔

[مجمع بیہمی، ج ۹ ص ۱۷۲، رشفت الصادی ص ۴۳]

”ہم اہل بیت علیہم السلام کی محبت و مودت سے ہرگز جدا نہ ہونا ہر وہ شخص جو چاہتا ہے کہ اپنے خدا سے ملاقات کرے اور اس کے دل میں ہماری محبت بھی ہے تو پس وہ ہماری شفاعت سے بہشت میں داخل ہوگا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! کسی بھی بندے کی

عبادت اور عمل اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک اس کو ہمارے حق کی پہچان و شناخت نہ ہوگی۔“

حاکم نے مستدرک میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لوان رجلاً صفن نین الرکن والمقام فصلى
وصام ثم لقي الله وهو مغضى لا اهل بيت
محمد دخل النار۔

”اگر کوئی شخص رکن اور مقام کے درمیان نماز پڑھے اور روزہ رکھے، اور پھر اسی حالت میں مر جائے، جب کہ اس کے دل میں دشمنی آل محمد ﷺ کی تو وہ سیدھا جہنم میں جائے گا۔“

[مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۴۹]

اے استاد! اہل بیت علیہم السلام وہ عظیم ہستیاں ہیں کہ جو بھی ان سے متوسل ہوا وہ کامیاب و کامران ہوا۔ جس نے ان کے دامن کو چھوڑ دیا، اور ان کی ولایت کو قبول نہ کیا وہ ہلاک ہوا۔

حاکم اپنی کتاب مستدرک میں اپنی مسند کے ساتھ حشش کنانی سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا: میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا جو کہ کعبہ کی کھڑکی کو پکڑے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے۔

اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہے جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں ابوذر رضی اللہ عنہ ہوں، محبتی میں نے رسول خدا سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا:

مثل اهل بيتي كمثل سفينة نوح، من

ر کسہا نجی ومن تخلف عنہا غرق -

امستدرک حاکم ج ۲، ص ۲۴۳، صواعق المحرقة ص ۱۸۴، الجامع الصغير ج ۱، ص ۹۷، منتخب کنز العمال، ج ۵، ص ۹۲، مجمع الزوائد ج ۹، ص ۶۸، مناقب ابن مغازلی ص ۱۳۳، تاریخ بغداد ج ۲، ص ۹۱، نور الابصار شبلنجی ص ۱۰۳، اسعاف الراغبین ص ۱۱۴]

”کہ میرے اہل بیت علیہم کشتی نوح علیہم کی مانند ہیں کہ جو اس میں سوار ہو گیا وہ کامیاب ہو گیا، اور جس نے اس سے منہ موڑا وہ ہلاک ہو گیا۔“

حاکم اپنی کتاب ”ادمہ“ میں کہتا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اور اسی طرح

حاکم بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

”آسمان کے ستارے زمین والوں کی رہنمائی کرتے ہیں، کہ وہ کہیں دریا میں غرق نہ ہو جائیں۔ اسی طرح میرے اہل بیت میری امت کا بچاؤ و ماوئی ہیں تاکہ ان کے درمیان اختلاف و انتشار نہ ہو سکے۔ اگر عرب کے کسی گروہ نے میرے اہل بیت سے مخالفت کی اور ان کے درمیان فتنہ و فساد پیدا کرنے کی کوشش کی تو شیطان کی حزب میں سے محسور ہوں گے۔“

امستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۴۹، ”النجوم امان لاہل لارض من الغرق، اہل بیٹی امان لامتی من الاختلاف فانما خالفتها قبيلة من العرب اختلفوا فصاروا حزب ابلیس“ اور روایت احمد مناقب میں آئی ہے ”فانما ذب ابلیتی ذب اہل الارض“ اگر میرے اہل بیت نہ ہوں گے تو پھر لوگ زمین پر نہ رہیں گے |

اے استاد! اہل بیت علیہم وہی خدا کے برگزیدہ بندے ہیں کہ جن کی شان میں

ارشاد ہوتا ہے:

انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل

السبت ويطهر کم تطهیرا۔

”اے اہل بیت علیہم السلام! خدا نے تم سے رجز و پلیدی دور رکھنے کا ارادہ کر رکھا ہے، جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے۔“

اتفاق کی بات ہے کہ اس آیت مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام معصوم عن الخطاء ہیں اور کسی قسم کا گناہ ان سے سرزد نہیں ہوتا۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے انہیں اپنے تمام بندوں سے پاک و طاہر قرار دیا ہے۔

استاد! آپ نے جو آیت بیان کی ہے اس کے مصداق فقط وہ لوگ نہیں ہیں جن کے متعلق تمہارا عقیدہ ہے، کیونکہ اس آیت میں رسول ﷺ کی ازواج بھی شامل ہیں، آپ اس آیت کے مائل اور مابعد کا ملاحظہ کریں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ تمام کی تمام آیات رسول ﷺ کی ازواج کے متعلق ہیں اور ان کے ضمن میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

جہاں پر کلام ازواج رسول ﷺ کے متعلق ہے وہاں پر جمع مونث کا صیغہ لایا گیا ہے جیسے:

ان اتقیتن، فلاتنخسن، والاتبرجن، واقمن الصلوۃ
وأتین الزکاة۔

لیکن یہاں پر جمع مذکر مخاطب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، اس طرح کے موارد قرآن میں زیادہ ہیں۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے اور آپ کے مدعی کے خلاف آیت اکمال دین کافی ہے۔ البتہ اس پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔ آپ اس کی طرف رجوع کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ اس آیت کی اہمیت کے طور پر آیت تحریم میتہ اور خنزیر کے گوشت کے درمیان لایا گیا! آپ سورہ مائدہ کی تیسری آیت مطالعہ کریں ارشاد ہو رہا ہے:

حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اهل
 لغير الله به والمنخنفته والموقوذة والنطية وما اكل
 السبح ال امد اکتیم وما ذبح علی النصب وان
 تستقسما بالا زلام، ذلکم فسق، الیوم عاینس الذین
 کفرو امن دینکم فلا تخشوهم واخشون، الیوم
 اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت
 لکم الاسلام دینا فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف
 لائم فان اللاه اغفور رحیم۔

اس آیت شریفہ میں کئی ایک حرمتوں کو شمار کیا گیا ہے، ان میں سے مردار، خنزیر کا
 گوشت، خون، ایسا ذبیحہ جسے خدا کے نام کے بغیر ذبح کیا گیا ہو، اور دوسرے موارد کہ
 جن کا نام لیا گیا ہے، پھر ارشاد ہوتا ہے اب کفار تمہارے دین سے ناامید واپس ہو
 گئے ہیں۔ ان سے مت ڈریئے گا فقط اپنے خدا سے ڈریئے گا۔ آج میں نے تمہارے
 لئے دین کو کامل کر دیا ہے۔ اور اپنی نعمتوں کو تمہارے لئے تمام کر دیا ہے اور اسلام کو
 تمہارے لئے آئین کے عنوان پر قرار دیا ہے۔ جب یہ مطلب مہم تمام ہو گیا، تو پھر
 مطالب گزشتہ سے پیوستہ ہو جاتا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص قطعاً کی حالت میں ناچار ہو جائے
 اور وہ حرام غذا کھالے تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، کیونکہ خداوند غفور و رحیم ہے۔

گویا یہ مطلب کافی مہم تھا، لہذا جملہ مترضہ کے طور پر اس کو لایا گیا، جب کہ اس
 کا پہلی اور آخری آیت سے کسی قسم کا ربط نہیں ہے۔ چونکہ یہاں پر مطلب کافی مہم تھا
 گویا خداوند تعالیٰ اس کو آیات کے درمیان لایا ہے، تاکہ لوگ بڑی دقت اور توجہ سے
 اس کی تحقیق کریں گے۔ اور اہم مطلب کو حاصل کریں گے۔

اس کو چھوڑیے۔ خود پیغمبر سلام ﷺ جو کہ مفسر و مبین قرآن ہیں نے اس اشکال کو دور کیا ہے تاکہ لوگ اس مہم مطلب کو اس سے قبل اور بعد والی آیات پر احتمال نہ کریں۔ اس آیت کے نزول کے بعد ایک جالب مفصل داستان ہے کہ آپ نماز کے لیے جانے سے پہلے خانہ علی ﷺ و متول ﷺ پر جاتے اور ان کو خطاب کر کے ارشاد فرماتے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ
كُمُ تَطْهِيرًا (الصلوة ير حمكم الله۔

[مسند احمد بن حنبل ج ۳، ص ۲۵۹]

”خداوند تعالیٰ نے ارادہ کر رکھا ہے کہ تم اہل بیت علیہم السلام کو رخص و ناپاکی سے اس طرح دور رکھے جس طرح دور رکھنے کا حق ہے (نماز کا وقت ہے خدا تم پر رحم کرے)۔“

اگر آپ کو یاد ہو تو گزشتہ بحث میں، میں نے صحیح مسلم سے نقل کیا تھا کہ راوی کہتا ہے کہ میں نے خود پوچھا تھا کہ آپ کا مقصد اہل بیت سے کون مراد ہیں؟ آپ کا مقصد عورتیں نہ تھا، زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ہمارے جواب میں کہتے ہیں: ”نہ! خدا کی قسم، کیونکہ ممکن ہے کہ ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ ایک مدت رہے، اور پھر وہ طلاق دے دے، اور وہ عورت اپنی قوم کی طرف لوٹ جائے لیکن اہل بیت علیہم السلام وہ لوگ ہیں کہ جن کا ریشہ و اصل خانوادہ رسول سے ہے اور ان تمام پر صدقہ کھانا حرام ہے۔“

[اصحیح ترمذی ج ۵، ص ۲۵۲، مستدرک حاکم ج ۳، ص ۱۵۸، اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۲۱، ذر المنثور سیوطی ج ۵ ص ۱۹۹، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۶۸، تفسیر طبری، ج ۲۲ ص ۶، تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۴۹۲، شواہد التنزیل حسکانی ج

یہ بحث گزر گئی۔ اگر آپ بخاری اور مسلم میں آیت تیمم کے نزول پر بحث کریں اور آپ دیکھیں گے اور انہوں نے ثابت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رسول ﷺ کی زوجات میں سے ایک زوجہ ہیں جو خاندان ابوبکر سے ہے نہ کہ وہ خاندان رسول ﷺ سے ہیں۔

[صحیح مسلم ج ۷، ص ۱۲۳]

اے استاد محترم! اہل بیت علیہم السلام پیغمبر ﷺ ہی وہ لوگ ہیں جن کی شان کے متعلق آپ ارشاد فرماتے ہیں:

من سرہ ان یحیا، ویموت مماتی، ویسکن حنہ
عدن غرسہ ہاربی، فلیوال علیاً من بعدی ولیوال
ولیہ، ولیقتدہم لبتی من بعدی، فانہم
عشرتی، خلقوا من طینتی، ورزقوا منہمی وعلمی
، فویل للمکدین نفضلہم من امتی، القاصم
فیہم صلتی، لا انا لہم اللہ شفاعتی۔

”جو چاہتا ہے کہ وہ میری طرح زندگی گزارے، اور میری مانند دنیا سے رحلت کرے اور بہشت بریں میں ساکن ہونا چاہتا ہے جیسے میرے پروردگار نے بتایا ہے پس اسے میرے بعد علی علیہ السلام کی ولایت کو حتماً اختیار کرنا چاہئے۔ علی علیہ السلام کے دوستوں سے دوستی رکھے، اور میرے بعد میرے اہل بیت کے ساتھ تمسک رکھے اور ان کی اقتدار پیروی کرے، کیونکہ یہی میرا خاندان اور میری عترت ہے، ان کو میری منیٰ ہی خلق کیا گیا ہے، میرا علم و ہم اور اوراک ان کو دیا گیا ہے، پس میری امت کے ان

لوگوں پر افسوس ہے جو ان کے فضل و فضیلت کی تکذیب کریں۔ اور میرے رحم و صلہ کو ان سے قطع کریں۔ خداوند ان لوگوں کو ہرگز میری شفاعت سے بہرہ مند نہ کرے۔“

اے استاد محترم! خدا گواہ ہے کہ ہمارا لئے یہی ایک روایت کافی ہے کہ ہم پر پیغمبر اکرم ﷺ نے اہل بیت علیہم السلام کی اتباع و پیروی لازم قرار دی ہے۔ چند نادان یہ کیوں چاہتے ہیں کہ اہل بیت علیہم السلام کی یہ عظمت اور فضیلت خود حاصل کر لیں؟ کیا یہ شفاعت محمد ﷺ کے حاصل کرنے کی طرف مائل و راغب نہیں ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی آدمی بعض واجبات کو بجالائے اور دوسرے واجبات کو اپنی مرضی سے نہ بجالائے اور پھر بہشت بریں میں جانے کی امید لگائے بیٹھا ہو؟

اے استاد! اہل بیت علیہم السلام ایسی عظیم ہستیاں ہیں کہ جو بھی ان کے دروازہ پر امید و آرزو لے کر گیا وہ خالی ہاتھ کبھی نہ آیا، اور ان کی جتنی بھی تعریف و مدح کی جائے وہ مبالغہ آرائی نہ ہوگی۔

یہ لو نفس رسول اللہ، جان رسول اللہ ﷺ اور روح روان رسول اللہ ﷺ ہیں۔ یہ ایسے عظیم انسان ہیں کہ ان کے حق کی شناخت و پہچان لازم ہے جن لوگوں کو یہ عظیم نعمت نصیب نہیں ہوئی وہ فوراً ان کے دروازہ پر جھک جائیں۔ خدا کی قسم، جن لوگوں نے ان نورانی ہستیوں سے دشمنی رکھی اور ان کی عظمت کا اقرار نہ کیا ان کو جہنم کی آگ جلائے گی۔

یہ اہل بیت علیہم السلام وہی لوگ ہیں جو تاریکی اور اندھیرے میں ہاتھ پیر مارنے والے لوگوں کو روشنی کی قندیل دکھاتے ہیں۔ اور گمراہ لوگوں کی اپنے نور سے راہنمائی کرتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کی تجید و ستائش زبان وحی سے ہوئی، اور رسول

خدا ﷻ نے ان کی شخصیت بیان فرمائی۔

یہ وہی لوگ ہیں کہ ان کے وجود میں جہان کے تمام افتخارات و امتیازات معنوی و روحانی مجسمہ ہیں۔

یہ وہی لوگ ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے انہیں علم لدنی عطا کیا ہے اور ان کی قدر و منزلت آسمانوں اور افلاک سے بھی بالاتر ہے۔ اور ان کا شکوہ و جلال عالم ہستی سے بھی بالاتر ہے۔

یہ ایسے عظیم انسان ہیں کہ فضیلت و عظمت، بزرگواری و مجد اور کرامت سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ اور ان کی بزرگی و عظمت کے سامنے بزرگان روزگار و روطہ حیرت میں ڈوب جاتے ہیں۔

یہ وہی عظیم لوگ ہیں کہ جن کے دروازے کے دربان فرشتے ہیں۔
یہ وہی لوگ ہیں... کہ جن کے بچوں کے پنگوڑوں کی ڈوری ملائکہ ہلاتے ہیں۔

یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کے گھر کا آٹا فرشتے آمادہ کرتے ہیں۔
یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کے بچوں کے کپڑے جنت سے آتے ہیں۔
یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کے بچوں کا درزی جبرائیل علیہ السلام ہے۔
یہ وہی لوگ ہیں... کہ جن کے دروازہ پر موت اجازت مانگتی رہی۔
یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کی محبت و موڈت کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا۔
یہ وہی لوگ ہیں کہ جب تک رسول ﷺ ان کی خلافت و امامت کا اعلان نہ کرے تو رسول ﷺ کا دین کامل نہیں ہوتا۔

یہ وہی لوگ ہیں جو معصوم پیدا ہوتے ہیں۔

ہاں اگر ایک روز گیتی یا زمین تاریکی و ظلمت میں ڈوب جائے، تو ان کے نور ہدایت سے اس کو گمراہی سے نجات دلائی جاسکتی ہے، جو لوگ فروغ محمدی علیہ السلام کے درکو بھول چکے ہیں، وہ راہ اہل بیت علیہم السلام پر جھک کر دستک دیں۔ راہ اہل بیت علیہم السلام پر آجائیں کیونکہ یہی صراط مستقیم خداوندی ہے وہ در اہل بیت علیہم السلام پر جھک کر دستک دیں، تاکہ آل محمد علیہم السلام ان کو اندر آنے کی اجازت دے دیں۔

با خدا قلوب عارفان خدا اور اہل محبت کے دل ان ک اسیر ہو چکے ہیں۔ اور ان چہرہ ہائے درخشندہ کے توسل کے محتاج ہیں، کیونکہ ان کے وسیلہ سے ہی حوائج اور مشکلات دور ہوتی ہیں۔

با خدا ان ملکوتی مخلوق کے پرچم تلے صاحبان جمع ہوں گے، اور ان کی مشعل ہدایت سے لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے اور راہ خدا پر جائیں گے۔

اے استاد! اگر ہر مسلمان اہل بیت علیہم السلام کو قبول کرتا ہے اور ان کی محبت ہر مسلمان کے دل میں پہنا ہے تو پھر دوسروں کے دروازہ پر دستک کیوں دیتے ہیں؟ بن لوگوں کی تم طرف داری اور پیروی کرتے ہو ان کو تمام مسلمان راہبر قبول کرتے؟ تمام مسلمان دل و جان سے آل اطہار کو قبول کیوں نہیں کرتے تاکہ دنیا و آخرت میں سعادت و خوش بختی سے ہم کنار ہو سکیں؟ رضایت خدا اور رسول خدا ﷺ کو پاسکیں؟ بہتر (۷۲) فرقے بنانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی کہ اکہتر (۷۱) ان

میں دو زنجی ہیں اور فقط ایک جنتی ہے۔ فرقہ ناجیہ تو ایک ہے جب کہ طرف داران اہل بیت علیہم السلام کے تمام دعوے دار ہیں؟

باز ان رحمت سے سیراب کیوں نہیں ہوتے، چہ جائے کہ ادھر ادھر سے گندہ پانی پی رہے ہو؟ ان کے وجود پاک سے اپنے دلوں کو صیقل کرو تا کہ ہرگز پیا سے نہ رہ

سکو اور روز قیامت حوض کوثر سے جامِ عشق پیو تا کہ ہمارے دھان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شیریں و شاداب رہیں۔ ہم شیعہ و سنی ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ کیوں نہیں دیتے، اور ان تمام اختلافات اور تفرقوں کو دور کیوں نہیں کرتے۔ اور کتب اہل بیت کے ساتھ پیوستہ کیوں نہیں ہوتے تا کہ دنیا کے تمام انحرافی اور غلط قوانین و آئین اور کتب سے چھٹکارا پاسکیں؟

کیا ہم اپنے آپ کو رسول ﷺ کے پیروکار نہیں سمجھتے؟ کیا خداوند نے ہمیں حکم نہیں دیا تھا کہ ”ما آتا کم الرسول فخذوه و ما نہا کم فانتھوا“ ہم زبان سے تو اپنے آپ کو رسول ﷺ کا پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ہمارا عمل کتب رسول ﷺ کی خلاف کیوں ہے؟

ہم اجر رسالت گواہا کیوں نہیں کرتے، اور مودت ذوی القربی کو دل و جان سے قبول کیوں نہیں کرتے، جب کہ ہماری داریں کی کامیابی و سعادت کا راز اسی میں مضمر ہے کاش ہم اس انحرافی راہ سے چھٹکارا حاصل کر پاتے اور مسیر لوائے اہل بیت سے پیچھلکی و دائمی ہدایت حاصل کر سکتے۔ آمین رب العالمین!



اہل سنت بحث کرنے سے گھبرا گئے

آج قبل اس کے کہ ہماری بحث شروع ہوتی اور ہم پیروی و اتباع اہل بیت علیہم السلام پر شیریں بحث شروع کرتے، ایک لڑکا ہماری کلاس میں آیا اور میرا نام پکار کر کہنے لگا کہ کلاس ختم ہونے کے بعد ہیڈ ماسٹر کے کمرہ میں تشریف لے جائیں۔ انہیں آپ سے کام ہے۔

میں نے کافی سوچ بچار کیا، یہاں تک کہ پورے پیریڈ میں اس سوچ میں ہی غلطاں رہا کہ مجھ سے ایسی کون سی غلطی سرزد ہوئی ہے؟ مجھے ہیڈ ماسٹر کے کمرہ میں کیوں بلایا گیا ہے؟ شاید کسی نے میری کوئی شکایت کر دی ہے؟ اگر شکایت ہو تو کس سلسلہ میں شکایت ہو سکتی ہے؟ میں نے تو کوئی ایسا جرم نہیں کیا، جو سکول کے قانون کے خلاف ہو، اور سکول کے نظم و ضبط اور امن کو درہم برہم کرے؟ میں نے کبھی کسی پیریڈ سے غیر حاضری بھی نہیں کی، سکول بروقت پہنچتا ہوں، سکول کے قوانین کا ہمیشہ احترام کرتا ہوں۔ اپنے اساتذہ کی عزت و تکریم کرتا ہوں۔ ایسی کیا بات ہے کہ آج ہیڈ ماسٹر کے سامنے پیش ہونا ہے؟ انہی افکار میں گم سم ذہن میں کئی سوال اٹھے، لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا، میری سوچ پراگندہ ہو چکی تھی اور ذہن پر ایک بوجھ سا تھا کہ اسی اثنا میں دوسرے پیریڈ کی گھنٹی بجی، فوراً ہیڈ ماسٹر کے کمرہ میں داخل ہوا۔ ہیڈ ماسٹر کا نام ”حسن زقول“ تھا، ان کا تعلق مصر سے تھا، انہوں نے سکول کے نظام کو منظم کر رکھا تھا، ان جیسے باصلاحیت ہیڈ ماسٹر بہت کم ہوتے ہیں۔

نویں جماعت میں ہمارے ریاضی کے استاد کچھ عرصے کے لئے چھٹی پر تھے، اور ان کی جگہ ہیڈ ماسٹر ہمیں ریاضی پڑھاتے تھے، واقعاً ایک قابل اور لائق استاد تھے، ان کو درس پڑھانے کا سلیقہ بھی آتا تھا، ہمارے ریاضی کے استاد کی جگہ کئی دفعہ ہماری کلاس میں درس دینے کی غرض سے تشریف لائے تھے، لہذا میں ان کے لئے کوئی اجنبی نہ تھا (مولف کی تحریر کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طالب علمی کے زمانہ میں کافی ذہین تھے، اس لئے کہ ذہین لڑکے پر استاد کی خاص نگاہ ہوتی ہے) میں ہیڈ ماسٹر کے کمرہ میں داخل ہوا، میں نے سلام کیا انہوں نے جواب سلام کے بعد مجھ سے کہا:

بڑے تعجب کی بات ہے! مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے سکول کی فضا کو مکدر کر رکھا ہے، اور تم تفرقہ بازی کی باتیں کرتے ہو، میں نے جو تم سے کلام کیا ہے، اس سے مجھے احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے بیہودگی اور مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ بہر حال تم خود بتاؤ کہ تم نے ایسا کون سا کام کیا ہے کہ بعض اساتذہ نے تمہاری شکایت کی ہے؟

فوراً میرے ذہن میں آیا کہ وہی استاد ہو سکتے ہیں کہ جو ”دوسری بحث میں شریک تھے“ جنہوں نے لڑکوں کی گفتگو کی تھی، اور ان کی بحث انصاف و حقیقت سے کوسوں دور تھی۔ بحث کے دوران ان کے چہرے پر بل پڑ گئے تھے۔ لازماً انہوں نے ہی شکایت کی ہوگی۔ کیونکہ وہ بحث تو نہ کر سکے تھے، اور انہوں نے اس وقت بھی جذبات سے کام لیا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ مجھے تو کوئی ایسی خبر نہیں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن

تَصِيَّبُوا قَوْمًا بِجِهَالَةٍ۔

”اے صاحبان ایمان! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تم

خوب تحقیق کر لیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو۔“

[سورہ حجرات آیت ۶]

محترم ہیڈ ماسٹر صاحب! میرے خلاف جو آپ کو رپورٹ دی گئی ہے شاید اس کا زیادہ تر حصہ صحیح نہ ہو۔ ہو سکتا ہے نمبر بنانے کی خاطر ہو؟ بہر کیف اگر مجھ سے کوئی غلطی، اشتباہ یا گناہ سرزد ہو گیا ہے تو میں اپنا دفاع کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔

ہیڈ ماسٹر صاحب میری گفتگو کے انداز سے متاثر ہو چکے تھے بڑی خندہ پیشانی سے میری طرف رخ کر کے کہنے لگے:

میرے بیٹے! دیکھو، سکول مناظرہ و مباحثہ کی جگہ نہیں ہے۔ ہر کوئی اپنے مذہب و عقیدہ میں آزاد ہے، کسی کو دوسروں پر حملہ آور ہونے کا حق نہیں ہے، مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے اپنے بعض اساتذہ کرام سے اختلافی مباحث شروع کر رکھے ہیں، یہاں تک کہ تم نے کلاس میں بھی یہ مناظرانہ روش اختیار کر رکھی ہے اور اپنی کلاس کے طلباء کا زیادہ تر وقت تفرقہ انگیز مسائل میں صرف کرتے ہو۔

محترم ہیڈ ماسٹر صاحب! پہلی بات تو یہ ہے کہ میں ان سے چھوٹا ہوں، کیا میں دوسروں پر خصوصاً اپنے اساتذہ سے جن سے میں عمر میں چھوٹا ہوں۔ وہ مجھ سے علم اور تجربہ کے لحاظ سے بڑے ہیں پر حملہ آور ہو سکتا ہوں؟ اگر میں اس کا قصد و ارادہ رکھتا ہوں تو پھر اس کو کوئی قبول نہ کرے، اور پھر میں اس پر حملہ کروں؟ یہ اعتراض تو بعض اساتذہ پر عائد ہوتا ہے کہ میرا تعلق شیعہ گھرانے سے ہے۔ کیا میرے لئے لازمی ہے کہ میں مذہب شافعی یا مالکی کو قبول کروں؟ ایک دینی استاد کو کیا ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اپنے مذہب کو مجھ پر ٹھونسنے؟

ہیڈ ماسٹر! تم نے خود ہی جواب دے دیا ہے، مذہب کسی پر جبراً ٹھونسا نہیں

جاسکتا، چونکہ سلیبس دینی کتابوں کا سنی مذاہب کے مطابق بنایا گیا ہے اس لیے ان کتابوں کو پڑھنا ضروری ہے تاکہ تم اس سلیبس کے مطابق امتحان دے سکو۔ اگر میرے مذہب کے مقدمات پر کوئی حملہ آور ہو، اور میرے عقیدہ کی توہین کرے، تو پھر کیا مجھے حق حاصل نہیں ہے کہ میں اپنا دفاع کروں؟

ہیڈ ماسٹر! میں نے پہلے دن ہی اساتذہ سے کہا تھا کہ کلاس میں مختلف العقیدہ طالب علم ہوتے ہیں، اور مختلف الفقہ، لہذا اس مسئلہ کی رعایت رکھتے ہوئے کسی کے عقیدہ کی دل آزاری نہ ہو، لیکن پھر بھی اگر تم نے کسی مسئلہ میں دیکھا، کہ استاد نے رعایت نہیں کی، تو پھر تمہیں یہ حق نہیں ہے کہ تم کلاس میں ہی بحث و مباحثہ اور عقیدہ کا دفاع شروع کر دو، بلکہ تمہیں چاہئے تھا کہ تم اپنے اساتذہ سے کسی فارغ پیریڈ میں بحث کرتے اور مسئلہ کا فیصلہ کرتے۔

جناب استاد محترم! اتفاقاً یہی ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا ہے کہ آپ تک صحیح رپورٹ نہیں پہنچائی گئی۔ ہم نے کلاس روم میں بحث نہیں کی، فقط پہلے روز کلاس میں بحث ہوئی ہے وہ بھی طلبہ کی اجازت سے۔

پس اس کے بعد میں معمولاً ہفتہ میں دو دفعہ استاد سے بحث کرتا ہوں، اور آپ جانتے ہیں کہ جتنی بھی یہ بحثیں زیادہ کی جائیں، ابہام سے اتنا ہی زیادہ پردہ اٹھتا ہے، اور حق واضح ہوتا جاتا ہے۔ چاہے وہ میں نے اپنے مذہب و عقیدہ میں اشتباہ کیا ہو یا میرے دینی استاد نے یا کوئی اور ہو۔ کیا میں ان سے بحث نہ کروں، تاکہ میرے اوپر مطالب روشن ہو جائیں اور میں ہدایت حاصل کر سکوں؟ اور اس طرف بھی یہی حال ہے کہ چاہے وہ میرے استاد ہیں، اور ایک شاگرد کے حوالہ سے بالاتر ہیں۔ انہوں نے اپنے انتخاب میں شاید اشتباہ نہ کیا ہو؟ کیا بہتر ہے کہ ہم باہم علمی بحثیں کریں تاکہ ہماری سوومند گفتگو سے مثبت نتیجہ برآمد ہو۔

بعض اساتذہ نے جناب عالی کو اس طرح کیوں رپورٹ دی ہے، کیا وہ حق سننے سے گھبراتے تو نہیں ہیں؟

ہیڈ ماسٹر صاحب! جو بھی میرے ساتھ اس موضوع پر بحث و مباحثہ کرنا چاہے میں اس کے لئے ہر وقت تیار ہوں، لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ کلاس کے اندر مباحثہ کروں، کیونکہ اس سے دوسرے طالب علموں کا وقت ضائع ہوگا، اور طلبا کو ان بحثوں میں جتلا بھی نہیں کرنا چاہتا، لیکن آپ مطمئن رہیں کہ ہماری یہ بحثیں ہرگز اخوانی و غلط نہیں ہیں، بلکہ علمی و تاریخی ہیں۔ ہم دلیل و برہان سے بحث کرتے ہیں بے دلیل نہیں، اگر ہماری بحثیں کامل آپ تک پہنچادی جائیں تو شاید آپ بھی ہماری بحث میں شرکت کرنے پر آمادہ ہو جائیں، یا کم از کم آپ ہماری یہ تائید ضرور کریں کہ ہماری گفتگو میں فرقہ واریت ہرگز نہیں ہے، بلکہ ہم تو اتحاد بین المسلمین کے داعی ہیں، ہم تو مسلمانوں کو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح دیکھنا چاہتے ہیں، نہ کہ امت مسلمہ کو انتشار و اختلاف اور تفرقوں میں بانٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہیڈ ماسٹر! مجھ میں بحث کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ آپ کی اور دوسرے لوگوں کی گفتگو سننے کا وقت بھی میرے پاس نہیں ہے۔ تم ایک شاگرد ہو لہذا مدرسہ کے نظم و نسق کا لحاظ رکھو۔ اگر تمہیں تبلیغ اسلام کا زیادہ شوق ہے تو رات کو مسجد میں جا کر لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا کرو البتہ مدرسہ میں تمہاری ذمہ داری اور فریضہ یہ ہے کہ اچھی طرح درس پڑھو، اور وہ درس جو تمہارے لئے اور دوسرے طلباء کے لئے تیار کیے ہیں تاکہ سال کے آخر میں امتحان میں کامیاب و کامران ہو سکو،

”میں نے اپنے دل میں کہا کہ تم دنیا کے امتحان کی اہمیت کے کس قدر قائل ہو، لیکن تمہیں امتحان آخرت، مدرسہ خداوندی سے پاس یا ٹیل ہونے اور اس امتحان کے

نتیجے کی اہمیت کا خیال نہیں ہے۔“

بہر کیف ہیڈ ماسٹر سے معذرت کرتے ہوئے ان کے کمرہ سے باہر آ گیا، لیکن بڑی پریشانی لاحق ہوئی میرے ذہن پر ایک خاصہ بوجھ تھا، میں رنجیدہ دل سے سوچ رہا تھا، کہ ان کے پاس کون سی دلیل ہے کہ یہ لوگ حق سننے سے ڈرتے ہیں، اور حق سے کئی کتراتے ہیں، کیا حق باطل سے بہتر نہیں ہے؟ کیا کامیابی و دستکاری حق کو حاصل نہیں ہے؟ کیا ہمارا فریضہ حق کو تلاش کرنا نہیں ہے؟ ہمیں حق و حقیقت کی جستجو نہیں کرنی چاہئے؟ ہم اپنی زندگیوں سے باطل کو دور کیوں نہیں کرتے؟ ہم لوگ حق کے متلاشی کیوں نہیں ہیں؟ جہاں حق ہوتا ہے ہم وہاں سے راہ فرار کیوں اختیار کرتے ہیں؟

قارئین کرام! کیا آپ ہیڈ ماسٹر کی گفتگو کو درست سمجھتے ہیں؟ کیا ان کی یہ بات صحیح تھی کہ سکول میں دین و مذہب پر بحث نہیں کرنی چاہئے؟ کیا مذہب کو مسجد کی چار دیواری تک قید کر دینا چاہئے؟ کیا دین اسلام کی تبلیغ فقط مسجد کی چار دیواری تک منحصر ہے؟ کیا سکول علوم مذہبی کے حصول کے لئے بہترین جگہ نہیں ہے؟

پھر وہ راہ فرار کر گئے

چند گھنٹوں کے بعد ہماری بحث کا وقت شروع ہو گیا، میں اضطراری حالت میں بڑی احتیاط سے اساتذہ کے کمرہ میں داخل ہوا۔ استاد معمول کے مطابق وہاں موجود تھے، میں نے انہیں سلام کیا اور میں نے ان کے جواب سلام کے بعد ہیڈ ماسٹر سے ہونے والی گفتگو سنا دی، وہ کافی ناراحت ہوئے اور بڑی حیرانی سے مجھ سے کہنے لگے:

کہ میری خواہش تھی کہ اس سے بھی بڑھ کر آپ سے بحث کرتا، میں نے اپنے دل میں سوچ رکھا تھا کہ آپ سے چند فقہی جو مسائل میرے نزدیک اختلافی ہیں تقیہ کے متعلق، مصحف فاطمہ علیہا السلام، تربت پر سجدہ، جمع بین صلاتین اور اس کے علاوہ دیگر موضوعات پر کھل کر بحث کروں۔ آپ سے ان موضوعات پر شیعہ فقہاء و علماء کی نظر و آرا معلوم کروں، لیکن اس صورت حال کے پیش نظر بہتر ہے کہ گزشتہ مسائل پر ایک دفعہ پھر نگاہ دوڑائی جائے اور اس بحث کو ختم کر دیا جائے۔ اگر آئندہ خدا نے چاہا اور ہمارے پاس وقت بھی ہوا تو دوبارہ ان شاء اللہ اس دلچسپ و شیریں گفتگو کو جاری رکھیں گے، وگرنہ میں امید کرتا ہوں کہ میں خود شیعہ ایمان علی علیہ السلام کی بڑی بڑی کتابوں سے تحقیق و ریسرچ کروں گا، کہ ان کی مختلف موضوعات پر آراء و افکار کیا ہیں۔

میں نے اس صورت حال پر اظہارِ افسوس کیا، اور اپنے استاد سے خواہش کی کہ ہم فقط دو بحثوں کے اندر مسئلہ خلافت اور اولیاء رسول خدا ﷺ کو کھل کریں گے، انہوں نے میری رائے کو قبول کیا، لہذا ہم نے دوبارہ بحث شروع کی۔

کیا شیعوں کے دوسرے آئمہ اہل بیتؑ میں شامل نہیں؟

ہماری بحث اہل بیت علیہم السلام کے متعلق تھی، کہ پیغمبر ﷺ نے ان کا مختلف مقامات پر تعارف کروایا تھا، اور ان کے متعلق امت مسلمہ کو سفارش کی تھی۔ اور آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو اہل بیت علیہم السلام سے رجوع کرنے کو کہا تھا، اور آپ نے ان کو اہل بیت علیہم السلام کی پیروی و اتباع کرنے اور ان سے دور نہ ہونا وگرنہ ہلاک ہو جاؤ گے کا حکم دیا تھا۔

واضح ہو گیا کہ اہل بیت کا گلدستہ علیؑ و فاطمہؑ اور حسینؑ پر مشتمل تھا، اس میں رسول ﷺ کی ازواج اور نہ ہی کوئی اور شامل ہے۔ اس جگہ پر استاد پوچھتے ہیں۔
 ”کیا تمہارے بقیہ دوسرے امام اہل بیت میں شامل نہیں ہیں؟“

میں نے عرض کیا کہ وہ اہل بیت میں شامل نہیں ہیں۔ یہ خاندان پیغمبر، اولیاء و اوصیاء رسول ﷺ اور خلیفہ رسول ﷺ ہیں، ان کی حکومت و امامت امت محمد ﷺ پر قائم و قائمانہ رہے گی، لیکن افسوس کی بات ہے کہ غاصب اور ظالم حکومتوں نے اقتدار کے بل بوتے پر ظاہری حکومت کی اور ان لوگوں نے اپنے آپ کو امام و خلیفہ ظاہر کیا، جب کہ لوگوں پر حکم رسول خدا ﷺ کے مطابق واجب تھا کہ وہ آل محمدؑ کی پیروی کرتے، اور ان کے حکم کو رسول ﷺ کے حکم کی طرح دل و جان سے قبول کرتے۔ اور ان سے ہرگز دور نہ ہوتے۔ اور ہر زمانہ میں آل اطہار علیہم کے مخلص پیروکار ہوتے اور آئمہ اطہار علیہم سے کسی وقت بھی دور نہ ہوتے، اور تمام شرعی سیاسی و اجتماعی اور اخلاقی احکام میں ان کی اطاعت کرتے، اور ان کے فرمان کو دل کی گہرائیوں سے سنتے۔

رسول اکرم ﷺ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو اپنے اہل بیت علیہم کے طور پر تعارف کروایا۔ چونکہ یہی ہستیاں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھیں۔ وگرنہ تمام آئمہ اطہار علیہم السلام یا آل محمد اہل بیت میں شامل ہوتے۔ شیعان حیدر کرار علیہم تمام اماموں کی پیروی و انتساب پر افتخار کرتے ہیں، اور رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ان کی اتباع واجب ہے۔ اور ان معصوم ہستیوں اور اماموں سے ایک لمحہ کے لئے دور نہیں ہو سکتے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے جس طرح حضرت علیؑ کے متعلق سفارش کی تھی اسی طرح ان کے بیٹوں کے متعلق کی ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اہل سنت کے علماء ان

روایات کو کامل نقل نہیں کرتے جن میں اہل بیت علیہم السلام کے فضائل وکمال ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں بعض منصف مزاج لوگ جیسے ”ینابيع المودة“ کے مصنف کہ خدا ان پر رحمت کرے بہر کیف پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنے اوصیاء، خلفاء اور بارہ اماموں کی تعیین و تشخیص فرمائی ہے۔ اور یہ روایات اہل سنت اور اہل تشیع کی کتابوں میں تواتر کے ساتھ نقل کی گئیں ہیں۔ شیعہ عقیدہ کے مطابق بارہ امام یا خلیفہ کے انطباق فقط بارہ اماموں پر ہوتا ہے۔

استاد! کیا ممکن ہے کہ جن روایتوں کو تم ”متواتر“ سمجھ رہے ہو ان کو میرے لئے بیان کرو۔

میں نے بعض روایات کو احتیاطاً لکھا تھا، ان میں تھوڑا سا الفاظ کا فرق ہے، ان کو میں ساتھ لایا ہوں، چونکہ مجھے معلوم تھا کہ آج ہماری بحث اوصیاء رسول ﷺ کے متعلق ہوگی۔

اوصیاء رسول کون؟

① الاثمة من بعدی اثنا عشر، عن اهل بیٹی۔

”میرے امام بارہ ہیں جو میرے اہل بیت علیہم السلام میں سے ہوں گے۔“

آپ نے ملاحظہ کیا کہ اس حدیث رسول مقبول ﷺ میں ”آئمہ“ کے تذکرہ کے ساتھ ”اہل بیٹی“ کا ذکر بھی ہوتا ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ آپ کے بعد امام آپ کے اہل بیت علیہم السلام سے ہوں گے، اور وہ منحصر ہیں ”علی علیہ السلام، فاطمہ علیہم السلام اور ان کے دو

بیٹوں میں۔“

⑤ يملك هذه الامة من خليفة، اثنا عشر عدة كعدة نقيب

بنی اسرائیل۔

”میری اس امت کا معاملہ بارہ خلفاء کے پردہ ہے۔ اور ان کی تعداد نقباء

بنی اسرائیل کے برابر ہے۔“

اہل سنت کی کتابوں میں ”عنوان نقباء بنی اسرائیل“ پر کافی روایات نقل ہوئی ہیں، اور ان میں سے بعض روایات ”عدة“ اصحاب موسیٰ میں نقل کی گئی ہیں۔ اور یہ اشار قرآن کی اس آیت کی طرف ”لقد اذنا هذا لله ميثاق بنی اسرائیل وبعثنا منهم اثني عشر نقيبا۔“

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ آیت سے واضح ہے کہ خداوند تعالیٰ نے خود بنی اسرائیل کے لئے بارہ نقيب بھیجے، البتہ وہ نقباء پیغمبر تھے، لیکن یہ چونکہ ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں لہذا آپ کے نقباء پیغمبر نہیں ہو سکتے لیکن فضیلت و عصمت اور عظمت کے لحاظ سے واجب الاتباع ہیں۔ انبیاء کے ساتھ ان کا کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ یہ خود عہدہ امامت پر فائز ہیں جو ایک بہت بڑا عہدہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔

استاد! اتفاقاً میں ایک مسئلہ پر تم سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ تم شیعان علی علیہ السلام، علی علیہ السلام اور اولاد علی علیہ السلام کے متعلق مبالغہ آرائی اور غلو سے کام لیتے ہو۔ اور ان کو پیغمبران الہی سے افضل سمجھتے ہو؟

اگر آپ رسول اکرم ﷺ کی روایات کا مطالعہ کریں جو آپ نے ان کی شان میں فرمائیں تو آپ بھی اس نتیجہ پر پہنچیں۔ جب کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے کئی ایک مقامات پر اپنی امت کے علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء سے افضل قرار دیا ہے۔ قطعی طور پر

ہمارے امام علیؑ بحکم خدا جانشین رسول ﷺ پر متمکن ہیں، اور یہ برگزیدہ ہستیاں ہیں۔ اور علماء کرام سے یقیناً برتر و افضل ہیں۔

[ہمارے اکثر علماء کا نظریہ ہے کہ علماء سے مراد آئمہ اطہار ہیں جو بنی اسرائیل کے انبیاء سے افضل ہیں، نہ کہ عام علماء، واللہ العالم]

④ لا یزال امتی علی الحق ظاہرین، حتی یكون علیہم اثنا عشر امیرا کلہم من قریش۔

”میری امت حق پر استوار ہوگی جب تک ان پر بارہ امیروں کی خلافت و حکومت ہوگی کہ وہ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔“

⑤ لا یزال الدین قائما حتی تقوم الساعة ویكون علیہم اثنا عشر خلیفۃ۔

”دین تا قیام قیامت قائم و دائم رہے گا اور بارہ خلفاء لوگوں پر خلافت کریں گے۔“

اہل سنت کی کتابوں میں مندرجہ بالا عبارتوں کی مانند چالیس اسناد کے ساتھ عبارتیں نقل کی گئی ہیں ”جو دلالت کرتی ہیں کہ صحیح خط رسول ﷺ بارہ اماموں کے توسط سے جو قریش سے ہوں گے، تاروز قیامت یہ چلتا رہے گا، خط نبوت و امامت تاروز قیامت، شیعیان حیدر کرار کے عقیدہ کے علاوہ کسی نے اس کی تحقیق و ریسرچ نہیں کی، البتہ کتاب ینایح المودہ کے ص ۳۰۸ اور ص ۵۳۳ پر تصریح کی گئی ہے کہ یہ بارہ خلفاء بنی ہاشم ہیں۔

اور بعض دوسرے مصادر میں بھی کلمہ ”من اہل بیتی“ نقل ہوا ہے۔

حافظ ابراہیم حموی، ابن عباسؓ سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ

نے ارشاد فرمایا:

ان الاولیائی و اوصیائی و حجج اللہ علی الخلق
عدی اثنا عشر اولہم اخی و اخرہم ولدی۔

قیل یا رسول اللہ: من اخوک؟

قال: علی بن ابی طالب۔

قیل: فمن ولدک؟

[معجم کبیر طبرانی ج ۱۰، ص ۱۹۵، مستدرک حاکم ج ۴، ص ۵۰۰، مسند
احمد بن حنبل ج ۱، ص ۳۹۸، صواعق امحرقة ابن حجر ص ۱۲، مند ابو ایعلی
ج ۸، ص ۴۴۴، کنز العمال ج ۶ ص ۸۹، فتح الباری ج ۱۳، ص ۱۸۱، تاریخ ابن
کثیر باب ذکر لائمة اثنی عشر ج ۶ حص ۲۴۸، مجمع الزوائد پیشمی ۵، ص
۱۹۰، تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۳۰۹، مطالب العالیة قسطلانی ج ۲ ص ۱۹۷]

قال المہدی الذی یملاء ہا قسطاً وعدلاً

کما ملئت جوراً وظلماً۔

”میرے بعد میرے اولیاء و اوصیاء اور اللہ کی مخلوق پر حج خدا بارہ ہیں۔“

اور میرا بھائی ہے اور ان میں سے آخری میرا بیٹا ہے۔

پینچمبر سے سوال کیا گیا، کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کا کون بھائی؟

آپ نے فرمایا! علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم آپ سے سوال کیا گیا! کہ آپ کا

کون سا بیٹا؟

آپ نے فرمایا، مہدی رضی اللہ عنہم جو دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح پر

کردے گا جس طرح پہلے ظلم و جور سے پر ہوگی۔“

[فرائد السمطين ج ۲، ص ۳۱۲، ينابيع المودة، ص ۵۳۶]

اور دوسرے انداز سے خطیب خوارزمی رسول خدا ﷺ سے اس طرح روایت

کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

من احب ان يحیی حیاتى ويموت مماتى
ويدخل الجنة التى وعدنى ربى ، فليتول على بن
اسى طالب وذريته الطاهرين ، آئمة الهدى
ومصاييح الدجى من بعده فانهم لن يخرجو
کم من باب الهدى الى باب الضلالة ۔

”جو شخص چاہتا ہے کہ وہ میری طرح زندگی بسر کرے اور میری طرح دنیا سے جائے۔ اور وہ جنت میں اس طرح داخل ہو کہ جس طرح میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے پس اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ علی بن ابی طالب علیہ السلام اور ان کی پاک اولاد کی پیروی و اطاعت کرے کیونکہ اس کے بعد یہی آئمتہ الہدیٰ تاریکی کا چراغ ہیں۔ کیونکہ یہ تمہیں ہدایت سے گمراہی کی طرف نہیں لے جائیں گے۔“

[مناقب خوارزمی ص ۳۶، ینابیع المودہ قندوزی حنفی ص ۱۲۷]

بہت زیادہ روایات اہل سنت کی کتابوں میں نقل کی گئی ہیں، کہ آنحضرت نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بعد اپنے خلفاء کا تعارف ”خلفائی“ یا ”اوصیائی“ یا ”سادات امتی“ یا ”تبع اللہ علی خلقہ بعدی“ یا ”الائمة الراشدین من ذریعتی کے عنوان سے کروایا ہے، اور ان تمام روایات کی دلالت اور معرنی ایک چیز ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہ بارہ افراد امام و خلیفہ اور پیشوا تھے کہ ان میں سے پہلا شخص علی علیہ السلام اور آخری مہدی ہوگا۔

”خدا ایسی عظیم ہستیوں پر درود بھیجتا ہے۔“

استاد! تم نے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء و اوصیاء کی تعداد کے بارے میں

روایات بیان کی ہیں بخاری اور مسلم کا نام نہیں لیا۔ کیا ان دو کتابوں میں بھی اس طرح روایات نقل کی گئیں ہیں؟

صحیحین میں خلفاء پیغمبرؐ کی تعداد

پہلی بات تو یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر روایت ان دونوں کتابوں میں موجود ہو، کیا میں نے جو اہل سنت کی تفسیر و حدیث کی معتبر کتابوں سے نقل کیا ہے، یہ کافی نہیں ہے؟ یہ اعتراض وہاں ہوتا ہے کہ ایک روایت ایک کتاب یا دو کتابوں سے ایک دو اسناد کے ساتھ پیش کی جاتیں، اس سے زیادہ نہ ہوتیں، تو وہاں شک ممکن تھا، جب کہ کئی کتابوں کے حوالے سے چالیس مختلف اسناد کے ساتھ مختلف عبارتیں پیش کی گئی ہیں، پس یہ حد تو اترا اور قطعی احادیث ہیں ان میں کسی قسم کا اشکال نہیں ہو سکتا۔

ثانیاً اتفاق کی بات ہے کہ بخاری اور مسلم میں بھی نقل ہوا ہے، میں نے ان کو بھی نوٹ کیا ہے، اور ان کو میں اپنی گفتگو کے آخر میں پیش کرنا چاہتا تھا، کہ آپ نے موقع محل پر سوال کر دیا۔ بخاری اپنی صحیح میں جابر بن سمرہ سے نقل کرتے ہیں، کہ اس کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا:

یکون اثنا عشر امیراً۔

”بارہ امیر ہوں گے۔“

[صحیح بخاری، ج ۹، ص ۲۵۰ کتاب الاحکام]

اس کے بعد روایاتی کہتا ہے کہ اس جملہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے

ایک کلام کیا کہ جس کو میں نہ سن سکا، لیکن میرے باپ نے مجھے کہا کہ
آپ نے فرمایا:

كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ -

”وہ تمام کے تمام قریش سے ہوں گے۔“

صحیح مسلم میں ”کتاب الامارہ، کے اندر دو روایت نقل کی گئی ہیں، اس مضمون

کے ساتھ۔“ [صحیح مسلم، ج ۴، ص ۴۸۲، کتاب الامارہ]

① لا يزال الدين قائما حتى تقوم الساعة او يكون

عليكم اثني عشر خليفة كلهم من قريش -

”دین تا صبح قیامت تک قائم و دائم رہے گا، اور تم پر بارہ خلفاء حاکم ہوں

گے جو کہ تمام کے تمام قریش سے ہوں گے۔“

② لا يزال امر الناس ما ضيا ما وليهم اثني عشر رجلا -

”اسی طرح لوگوں پر حکومت کی جائے گی جب کہ بارہ افراد ان پر حکومت

کریں گے۔“

استاد! ان دو کتابوں میں بیان نہیں کیا گیا کہ وہ اہل بیت علیہم السلام سے ہوں گے یا

علی بن ابی طالب علیہ السلام کی اولاد سے ہوں گے؟ تم نے کیسے استدلال کیا کہ یہ وہی

شیعوں کے بارہ امام علیہم السلام ہیں؟

تو پھر کون لوگ ہو سکتے ہیں؟

استاد! مجھے معلوم نہیں ہے کہ اہل سنت کے بزرگ علماء کا اس آیت کے متعلق کیا

نظر یہ ہے؟ کیا ان اہل بیت علیہم السلام کی مانند ہے کہ جن کو انہوں نے خود نقل کیا اور بعد

میں ان کے قائل نہیں ہیں۔ اس روایت کو بھی مورخ غفلت قرار دیتے ہیں یا اس پر

انہوں نے اظہار نظر کیا ہے؟ بہر حال خلفائے راشدین اور حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام کے بعد بنو امیہ کے بعض خلفاء جیسے عمر بن عبدالعزیز اور بنو عباسیہ کے بعض خلفاء عادل تھے، اگر وہ مراد ہوں تو؟

اولاً جس طرح آپ نے کہا ہے اس سے تو خلفا کا سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا، اور خلافت کا تصور خلط ملط ہو جائے گا، کہ چند افراد پہلے گروہ سے اور چند افراد درمیانہ گروہ سے اور بعض لوگ آخری گروہ سے لئے جائیں۔ اور باقی لوگوں کو چھوڑ دیا جائے جیسے بنو امیہ کے خلفاء میں عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ رسول ﷺ تسلیم کیا جائے کیونکہ یہ دوسرے خلفاء بنو امیہ سے نسبتاً بہتر تھے، ان خلفاء نے بندگان خدا پر طرح طرح کے ظلم و جور کیے۔ بیت المال مسلمین میں اسراف و تبذیر کیا، انہوں نے لوگوں کے درمیان محرمات و شرب خمر اور فساد و انتشار کو ایجاد کیا، تاریخ کے صفحات ان کے ظلم و ستم، قتل و غارت، اہانت و شتموں اور فساد و تباہی سے بھرے پڑے ہیں، بنو امیہ اور بنو عباسیہ کے حکمرانوں نے مخلوق خدا پر ظلم و فساد کی انتہا کر دی۔ افسوس سے کہہ رہا ہوں کہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں ان شہزادوں کی کرتوتوں اور رنگ رلیوں پر روشنی ڈالوں؛ وگرنہ ان کے ظلم و ستم کے نمونے تو بہت زیادہ ہیں۔ اہل سنت کی کتابیں ان کے سیاہ کردار سے بھری پڑی ہیں۔

ثانیاً۔ اتفاق کی بات ہے علماء اہل سنت نے ان روایات کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور انہوں نے بڑے سخی کی ہے کہ احکام اسلام کو نبی امیہ بنی عباسیہ سے لیا جائے اور بعض تو ایک قدم اور آگے بڑھ گئے کہ عثمانی بادشاہوں سے احکام حاصل کریں گے، خلفاء رسول ﷺ پر ان کو منطبق کرنا خندہ دار ہے اور محض خنزیر ہے۔

ہم اہل سنت کے بزرگ علماء کی عبارت نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ جیسے

جلال الدین سیوطی کی عبارت عرض کرتا ہوں کہ اس نے اس طرح کہا ہے کہ معاویہ، ابن الزبیر اور عمر بن عبدالعزیز کا نام بیان کیا گیا ہے جو کہ آٹھ بنتے ہیں۔ اور یہ بھی احتمال پایا جاتا ہے کہ مہدی عباسی بھی ان میں شامل ہو، کیونکہ وہ عباسیوں کے درمیان اسی طرح تھا جس طرح عمر بن عبدالعزیز امویوں کے درمیان، طاہر عباسی کی عدالت بھی مشہور تھی، اب باقی دو افراد رہ جاتے ہیں کہ ان میں ایک حتماً مہدی ہے کیونکہ وہ اہل بیتؑ میں سے ہے۔“

کیا یہ اہل سنت کے بزرگ عالم دین کی خلفاء رسول ﷺ کے متعلق تحلیل خندہ دار نہیں ہے؟ کس طرح اس نے حسن علیہ السلام کو تو ذکر کیا ہے لیکن حسین علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا؟ اور یہ بھی کیسے ممکن ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے علی علیہ السلام کو اپنا خلیفہ تو قرار دیا ہے اور ان کے بدترین دشمن معاویہ کو ان کے مقابل میں خلیفہ قرار دیں، جس کے بدن میں خون کی بجائے دشمنی اہل بیتؑ علی علیہ السلام چلتی تھی۔ جس نے مسلمانوں کا خون ناحق بہایا؟ جس نے اسلام کی حرمت کو پامال کیا؟

معاویہ مظہر تباہی و فساد

مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ سیوطی جیسا عالم و دانشور و معاویہ کو تو خلیفہ رسول ﷺ شمار کرے اور سبط رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام و عظمت اور فضیلت کے باوجود چھوڑ دے۔ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام کمالات و فضائل کے باوجود

جانشین رسول ﷺ نہ سمجھے؟ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ معاویہ جو علیؑ پر علی الاعلان سب و لعن کروا رہا ہے اور اس نے وحی رسول ﷺ پر لعن کرنا واجب و لازم قرار دیا تھا اور اس نے رسول ﷺ خدا کے اصحاب باوفا کو قتل کیا ہو، اور اپنے فاسق و فاجر بیٹے یزید کو خلافت تک پہنچایا ہو، اس کو تو مسلمانان عالم خلیفہ شمار کرتے ہیں، لیکن حسین ابن علیؑ اور ان کے بھائی کو خلیفہ تسلیم نہ کیا جائے؟ جن کے متعلق خود رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا ”کہ حسن علیؑ اور حسین علیؑ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں“ ”حسن علیؑ و حسین علیؑ امام ہیں چاہے وہ سکوت کریں یا قیام کریں“ اور..... یہ خلیفہ نہ ہوں؟ کیا عقل سلیم احادیث رسول مقبول ﷺ کی روشنی میں اس کج فکر کو تسلیم کرتی ہے؟ رسول خدا ﷺ نے معاویہ پر کئی دفعہ علی الاعلان لعنت کی تھی۔

[تاریخ سیوطی، ص ۱۶۲]

اور آپ نے اس ”مقرر“ کے قتل کا حکم دیا تھا یہ تو خلیفہ ہو.....؟ اور اولاد علیؑ جن کی عظمت و انسانیت، ایمان و تقویٰ اور مقام و پارسائی کے سامنے دنیا سر تسلیم خم کرتی ہے، آل اطہار علیہم السلام کی عظمت کے قصیدے تو ان کے دوست و دشمن پڑھتے ہیں، جن کی کبریائی خدا بیان کرے، ان کو مسلمان خلیفہ رسولؐ نہ جانیں؟ تعجب کی بات نہیں ہے؟

استاد! پیغمبر اکرم ﷺ نے معاویہ کے قتل کا حکم دیا تھا؟

پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔

اذا رأيتم معاوية علي منبري فاقتلوه۔

”جب معاویہ کو میرے منبر پر بیٹھے ہوئے دیکھو تو اسے قتل کر دینا۔“

[تاریخ طبری، ج ۱۱، ص ۳۵۷، ابن ابی الحدید ج ۶، ص ۲۸۹ طبقات ابن سعد ج ۷، ص ۵۵، وقعة صفین، ص ۲۱۷]

استاد محترم! معاویہ کی برائیاں، لڑائیاں، انحراف و فساد، ظلم و تعدی سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ہمیں اس پر بحث کرنیکی ضرورت محسوس نہیں کرتے، آپ اپنی کتابوں کا مطالعہ کریں اس کے کروتوت آپ پر واضح ہو جائیں گے۔ اور فقط اتنا کافی ہے کہ جب رسول خدا نے اسے اور عمرو بن عاص کو دور سے دیکھا تو آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے فرمایا:

”بارِ انہاء، ان دو افراد کو ذلیل و رسوا کر اور ان کو واصل جہنم کر“

[بعض عبارتوں میں اس طرح نقل ہوا ہے کہ اگر تم معاویہ کو منبر پر خط پڑھتے ہوئے دیکھو تو اسے قتل کر دینا اور دوسری روایت میں آیا ہے ”اگر تم اس معاویہ کو میرے منبر پر بیٹھے ہوئے دیکھو تو اس کی گردن اڑا دینا تاریخ طبری ج ۱۱، ص ۳۵۷، تاریخ الخطیب ج ۱۲، ص ۱۸۱، کنوز الدقائق مناوی ص ۶۰، اللثا المصنوعہ ج ۱، ص ۴۲۴، تہذیب التہذیب ج ۲، ص ۴۲۸ شرح ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۳۴۸]

آپ ان کو بھی چھوڑیے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے کئی مقامات پر اپنے بعد اٹھنے والے فتنوں کی طرف اشارہ کیا، اور آپ نے حکم دیا تھا کہ جب میرے بعد فتنے سراٹھانے لگیں تو تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم علی علیہ السلام اور اولاد علی علیہ السلام کی اجاب دہی کرو، ان کا حکم ماننا، کیونکہ یہ میرے خلفاء و جانشین ہیں۔



علیؑ، صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہیں

آپ نے فرمایا:

ستكون من بعدى فتنه، فاذا كان ذلك فالز
مواعلی بن ابی طالب فانه اول من (۲) یرانى
واول من یصافحنى يوم القيامة وبوالصدیق
الاکبر وفاروق بهذا الامة، یفرق بین الحق
والباطل۔

[مسند احمد بن حنبل ج ۴، ص ۴۲۱، کتاب الصغیر، ص ۲۴۶ چاپ مصر،

لسان العرب، ج ۷، ص ۴۰۴]

پس میرے بعد عنقریب فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا، جب ایسا ہو تو تم پر اس وقت
لازم ہے کہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کی حمایت کرنا کیونکہ وہ پہلے شخص
ہوں گے جو مجھے دیکھیں گے، اور وہ پہلے شخص ہوں گے جو حوض کوثر پر
میرے ساتھ ملاقات کریں گے، یہی علیؑ میری امت کے لئے
صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہیں، یہ حق اور باطل کے درمیان فرق پیدا
کرنے والے ہیں۔“

ہم نے رسول خدا ﷺ کے حکم کے مطابق فتنہ و فساد، اختلاف و آشوب اور
جنگ و جدال کے وقت حضرت علیؑ اور اولاد علیؑ کی پیروی کی ہے اور ہمارا

عقیدہ ہے کہ روز قیامت ہیبیان علیؑ کامیاب و کامران ہوں گے، اور جن لوگوں نے حضرت علیؑ علیہ السلام سے دوری اختیار کی ہے، اور جنہوں نے آل اطہار علیہم کے مخالف گروپ میں جانے کو پسند کیا ہے، جنہوں نے حضرت علیؑ کے دامن کو چھوڑ دیا ہے جب کہ وہ نص رسول ﷺ کے مطابق اس امت مسلمہ کے لئے فاروق اعظم ہیں حق اور باطل کے درمیان شناخت ہیں تو یہ لوگ قیامت کے روز خدا کو کیا جواب دیں گے؟

اگر کوئی معاویہ کو خلیفہ رسول ﷺ سمجھتا ہو تو اس پر اس کی پیروی و اتباع کرنا ضروری ہے اور درنتیجہ وہ علیؑ پر سب و لعن کرے، جب کہ پیغمبر ﷺ نے کئی بار ارشاد فرمایا ہے:

من سب علیاً فقد سبني ومن سبني فقد
سب الله۔

”جس نے علیؑ کو گالی دی گویا کہ اس نے مجھے گالی دی، جنہوں نے مجھے گالی دی اس نے خدا کو گالی دی۔“

میرے اہل سنت بھائی جب کہ معاویہ کو خلیفہ رسولؐ تسلیم کرتے ہیں، اور اس کو ولی مانتے ہیں، تو پھر وہ کس منہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم علیؑ کو قبول کرتے ہیں؟ کیا تقيضین کا ایک جگہ جمع ہونا محال نہیں ہے؟

اس کو بھی چھوڑیے دوسرے بارہ خلفاء کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

یہ کس طرح ممکن ہے کہ ان ظاہری خلفاء پیغمبر کو خلفاء واقعی سے جدا کیا جائے، اور ان بارہ افراد کی تشفیص کی جائے؟ ضروری ہے کہ اس امت کے فاروق اعظم اور صدیق اکبر علیؑ علیہ السلام کے درامامت ولایت سے رجوع کیا جائے۔ اور ان سے

اپنی تکلیف دریافت کی جائے کہ مولا! ہمارے بارہ امام اور نبی ﷺ کے جانشین حقیقی و واقعی کون کون سے ہیں؟

بہر حال اہل سنت کی کتابوں میں فقط اماموں کی تعداد بتائی گئی ہے یا بعض موارد میں ان کے نام یا تفصیل کے ساتھ یا ایجاز کے ساتھ آئے ہیں، لیکن ہماری شیعہ کی بڑی بڑی کتابوں میں رسول ﷺ کی زبان سے بارہ اماموں کے نام نقل ہوئے ہیں اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی زبان سے نام نقل کیے گئے ہیں۔ جن میں کسی قسم کی تردید اور شک نہیں ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ وقت ختم ہونے والا ہے، وگرنہ میں قرآن کی ایک آیت بیان کرتا کہ جس میں بارہ اماموں کی شناخت و معرفت کروائی گئی ہے۔ اس کے بعد والے جلسہ میں ظاہر آئے ہمارا آخری جلسہ ہوگا۔

استاد! قرآن سے آیت؟

جی ہاں! بہت عجیب؟

استاد: قرآن شیعہ ہی نہ کہ قرآن متداول سے؟

ہم اس قرآن کے علاوہ لا یتاہ بہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ۔ کسی اور قرآن کو قبول نہیں کرتے یہی اللہ کی سچی کتاب ہے جو ہر مسلمان کے ہاتھ میں ہے۔ جو بھی احکام الہی ہیں، اسی کتاب میں موجود ہیں ”ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین لیکن اس قرآن مجید میں تمام احکام صریح و روشن بیان نہیں ہوتے، اس کتاب کا تحقیق و نظر دقیق سے مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ آپ مطمئن رہیں کہ اگر ہم نے بارہ اماموں کو قرآن سے ثابت کیا تو اسی سے ثابت کریں گے جو آپ کے گھر میں موجود ہے۔

استاد! آپ تاویل کریں گے؟

تاویل روشن تر ہے، آپ دوسرے جلسہ تک صبر کریں، انشاء اللہ تمام مسائل روشن و واضح ہو جائیں گے۔

استاد! بہ امید ملاقات۔

محمد حافظ، محمد حافظ



آئمہ معصومینؑ کا ذکر قرآن کریم میں

آج شعبان کی ۱۳ تاریخ تھی۔ اور دو روز کے بعد امام العصر مہدی علیہ السلام برحق کی ولادت باسعادت تھی۔ میں اس جلسہ میں آنے سے پہلے ولی عصر ارواحنا فداه سے متوسل ہوا تھا۔ اور اس ہادی برحق کے تمسک اور استمداد نے میری روح و جان اور جذبہ و حوصلہ میں عجیب کیفیت طاری کر دی تھی۔ لہذا میں نے پوری دل جمعی اور خندہ پیشانی کے ساتھ آج کی بحث کا آغاز کیا۔ اور ساتھ ساتھ مجھے یہ پریشانی بھی دامنگیر تھی کہ کافی وقت پہلے نکل چکا ہے۔ باقی وقت تھوڑا اور مطالب زیادہ ہیں۔ لیکن پھر بھی مجھے تائید ایزدی حاصل ہوئی۔ اور میں اپنے مطالب اس تھوڑے وقت میں بیان کر سکا۔ استاد پورے مطراق اور زور و شور سے کمرہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے بڑے والہانہ انداز میں بحث میں شمولیت کی۔ ہم نے آج کی بحث کا آغاز اس آیت الہی سے کیا:

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حَرُمٌ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقِيَمُ فَلَا
تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ - (سورة توبه آیت 36)

”خدا کے نزدیک ”شہور“ کی تعداد بارہ ”شہر“ ہیں جس دن سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، ان میں سے چار حرمت والے ہیں، یہی دین محکم و مستحکم ہے۔ پس تم ان میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔“

اس آیت کی واضح دلالت بارہ آئمہ معصومین علیہم السلام پر ہے۔

استاد نے فوراً امیری گفتگو کو ٹوٹتے ہوئے کہا کہ اگرچہ میں ان چند روز گزشتہ میں غور و فکر کرتا رہا پھر بھی میرے مطالعہ میں یہ بات نہیں آئی کہ اس سے مراد شیعوں کے بارہ امام علیہ السلام ہیں۔ چند روز کے بعد آپ سے ملاقات ہوئی ہے اور آپ نے مہینوں والی آیت کو پڑھا ہے اور آپ یقیناً اس بات کی تاویل کریں گے کہ ان مہینوں سے مراد بارہ امام ہیں۔ اور پھر کہو گے کہ اس آیت کی دلالت مستقیم بارہ اماموں پر ہے؟

استاد جی! آپ صبر کریں، جلدی نہ کریں، میں آپ کے سامنے اس آیت کی وضاحت کروں گا۔ اور آپ تسلیم کریں گے کہ اس آیت کی دلالت ہمارے آئمہ علیہ السلام پر ہے۔

استاد: یہ ضمنی اور تاویلی دلالت آپ کو مبارک ہو، نہ کہ ہم اہلسنت کو۔

لفظ شہر کا معنی کیا ہے؟

استاد! آپ اس لئے اشتباہ کر رہے ہیں چونکہ آپ لفظ ”شہور“ کے معنی سے آشنا نہیں ہیں۔ شہور، شہر کی جمع ہے۔ اور اس کے معنی مہینہ نہیں ہے، بلکہ اس کے معنی عالم اور دانشور کے ہیں۔

”شہر“ جس کے معانی مہینہ کے ہیں، اس کی جمع ”اشہر“ ہے۔ قرآن کریم میں چھ دفعہ لفظ اشہر آیا ہے، اور تمام مقامات پر اس کا معانی صحیحے مراد لئے گئے ہیں۔

البشہ پورے قرآن میں لفظ اشہر کا ایک دفعہ ذکر ہوا ہے، اور وہ مورد بحث آیت میں ذکر ہوا ہے۔

فیروز آبادی، عربی لغت کا مشہور عالم سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے ”شہور“ کو شہر کی جمع مراد لیا ہے اور وہ اس کا معنی عالم و دانشور سمجھتے ہیں۔ لیکن کئی ماہرین لغت نے شہور کے معانی علماء مراد بھی لئے ہیں، لیکن جو مشہور اور قرین قیاس ”شہر“ کا معنی ہے، وہ عالم ذکر ہوا ہے۔

ابن منظور مصری کی مشہور زمانہ اور معرکتہ الآراء لغت لسان العرب میں شہر کے معانی اس طرح لکھے ہیں:

الشہور: العلماء الواحد شہور۔

”شہور کی معنی علماء ہیں اور اس کا واحد شہر ہے۔“

پھر انہوں نے شاہد کے طور پر حضرت ابوطالب علیہ السلام کے شعر کو بیان کیا ہے جو آپؐ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ستائش میں کہا ہے:

وفی شعر ابی طالب یمدح سیدنا

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فانسی والضواہح کل یوم

وماتلوا السفساسرة الشہور

”میں ہر روز گھوڑوں کے سانسوں کو سنتا ہوں، جو علماء اور دانشوروں کو

اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔“

آپؐ نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اس مذکورہ بالا شعر کو ملاحظہ کیا کہ آپؐ نے شہور کے معنی ”عالم اور آگاہ“ کے لئے ہیں۔ اور پورے قرآن میں جب بھی

شہر کے معانی و مفہوم مہینہ کے لیے گئے ہیں تو وہاں لفظ اشہر استعمال ہوا ہے، جیسے ”فاذا انسلخ الاشہر الحرم“ یا ”الحج اشہر معلومات“، لیکن پورے قرآن مجید میں فقط ایک ہی مورد و مقام کہ یہاں پر لفظ شہور کا استعمال ہوا ہے نہ کہ اشہر کا، پس اگر اللہ تعالیٰ نے اس سے بارہ مہینے مراد لینے ہوتے تو پھر اشہر کا استعمال کرتا نہ کہ شہور، جس کے معنی عالم و دانا کے ہیں۔

شہور محکم دین خداوندی ہے۔

شہور کے معانی و مفہوم پر مفصل و مدلل بحث ہو چکی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مجیدہ کو کس قدر اہم قرار دیا ہے۔ قارئین کو چاہیے کہ وہ اس آیت مذکورہ پر تحقیق و تفتیش کریں، اور اس پر علمی مباحثے منعقد کروائیں، تاکہ اس آیت کا مفہوم اور اصلی روح ظاہر ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس مشہور و معروف آیت کی اہمیت کس قدر بیان فرمائی، کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی آفرینش کے وقت اس عدد ”شہور“ کو اپنی کتاب میں ثبت فرمایا ہے۔ اور اس کو دینِ قیم و محکم سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن اگر اس کے معنی بارہ مہینے مراد لئے جائیں..... تو پھر اس تاکید کا فائدہ نہیں رہتا، کیونکہ بارہ مہینوں کو تو تمام ادیان، مذاہب، مٹل اور تمام مکاتب فکر مادی اور انحرافی بھی قبول و تسلیم کرتے ہیں۔ دنیا میں کوئی بھی ایسا انسان نہیں ہے جو اس نظریہ کا قائل نہ ہو۔ بارہ مہینے کس طرح خداوند تعالیٰ کے دین کے لئے قیم و محکم تصور کر لئے جائیں، جب کہ اس نظریہ و آراء کو تو تمام امتیں، ملتیں اور مذاہب بھی تسلیم کرتے ہیں؟ یہاں تک دشمنان اسلام اور بت پرست بھی بغیر کسی شک و تردید کے اس نظریہ کے حامی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ دینِ قیم خداوندی کچھ اور چیز ہے، ہمیں اس حقیقت سے کسی تعصب کی بنا پر ظلم روا نہیں رکھنا چاہیے۔

کیا یہ صحیح ہے کہ سال کے بارہ مہینوں کی تقسیم بندی کو دین الہی کے ساتھ مربوط و استوار کیا جائے؟ کیا یہ درست ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس تقسیم بندی کو اس قدر اہم جانا کہ کائنات کی خلقت کے روز اپنی کتاب میں اس کو ثبت کیا؟ اور ہمیں تاکید کی کہ اس کی نسبت ظلم نہ کریں، اور اس تقسیم بندی کو حتمی طور پر قبول کریں؟ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوا کہ یہ تقسیم بندی اس قدر اہم ہے کہ اس میں کمی وزیادتی نہیں کی جاسکتی۔ یہ ایک اہم امر الہی ہے کہ جو اسلام اور مسلمانوں کی زندگانی سے مربوط ہے۔ اگر اسلام کے پیروکار اس واضح و آشکار حقیقت کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے تو پھر ان کا دین اور آئین، کشمکش اور اختلاف و انتشار کا شکار ہو جائے گا، اور اسلام کی روح اور اصل و حقیقت تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گی۔ پس ضروری ہے کہ یہ تعداد آئمہ اطہار علیہم السلام کے ساتھ مربوط ہو کہ جس کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ سے بہت سی روایات منقول ہوئی ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اس بارہ کی تعداد کے بارے میں گاہ بہ گاہ نشاندہی فرمائی ہے۔ اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا دین محفوظ رہے تو پھر ہمیں بارہ علماء یا شہور کی پیروی کرنی چاہیے۔ اور یہی وہ پاک و طاہر ہستیاں ہیں کہ جو ہمیں راہ مستقیم پر گامزن کر سکتی ہیں اور ہمیں قرآن و سنت سے مربوط کر سکتی ہیں اور ہمیں لغزشوں، گمراہیوں اور انحرافات سے بچا سکتی ہیں۔



چهار شہر کی حرمت

آیت مذکورہ میں ذکر ہوا ہے کہ ”منہا اربعة حرم“ (ان میں چار مہینے زیادہ حرمت رکھتے ہیں۔) یہ اشارہ چار اماموں کی طرف ہے کہ جن کے نام علیؑ ہیں نہ کہ یہ امام دوسرے اماموں علیؑ سے برتری رکھتے ہیں۔ بلکہ ان کی فضیلت و برتری کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نام خداوند تعالیٰ کے مبارک نام سے مشتق ہیں ”علی اشق من العلی“ آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ”علی“ ہے پس یہ نام فی حد ذاتہ مقدس و مبارک ہے۔ اور دوسرے ناموں پر اسے امتیاز و برتری حاصل ہے۔ کیونکہ خدا کا نام ہے۔ خدا کے دو طرح کے نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے نام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختصاص نہیں رکھتے، ان کو دوسرے افراد بھی رکھ سکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے بعض نام ایسے ہیں کہ جو فقط اللہ تعالیٰ کے لئے ہی خاص ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا مقدس نام ”اللہ“ ”احد“ یا رخصن وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کے ان ناموں کو کسی اور کے لئے نہیں رکھا جاسکتا۔ لیکن ذات الہی کے بعض ایسی نام ہیں جو دوسرے افراد بھی رکھ سکتے ہیں، ان میں سے ایک مبارک نام علی ہے۔ یہ نام اللہ تعالیٰ کے نام سے مشتق ہونے کی وجہ سے خصوصی حرمت رکھتا ہے، لہذا ہمارے بارہ ائمہ میں سے چار کے نام علی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ”اربعہ حرم“ ان چار مقدس ناموں کی حرمت زیادہ ہے۔

بنا براین معلوم ہوا کہ اس آیت کی مستقیم دلالت بارہ اماموں پر ہے نہ کہ تاویلی دلالت۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس آیت میں بارہ اماموں کے واضح

نام کیوں نہ لکے؟ یہ ایک ادبی ظرافت ہے، اور قرآن اس ادبی اسلوب کا مرقع ہے، اور فصاحت و بلاغت کے علماء نے لکھا ہے کہ ”الکناية افضل من التصريح“ کنایہ تصریح و وضاحت سے افضل و بہتر ہوتا ہے۔ قرآن نے اکثر مقامات پر رمز و اشارہ کی زبان استعمال کی ہے۔ لہذا اس علمی و استدلالی بحث و تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ مشہور سے مراد بارہ امام ہیں نہ کہ بارہ مہینے۔

امام کی زبان سے آیت کی تفسیر

ہم ذیل میں آئمہ کی زبان سے اس آیت مذکورہ کی تفسیر و توضیح سے استدلال کرتے ہیں۔ علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب بحار الانوار کی ۳۶ ویں جلد کے صفحہ ۳۹۳ پر تحریر کیا ہے جسے ہم ذیل میں پر قدر طاس کر رہے ہیں تاکہ مطلب واضح اور روشن تر ہو جائے۔ اور ہماری بحث متبدل نہ ہو جائے۔

عن اسی حمزہ الشمالی قال کنت عند ابی جعفر محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن سلیمان بن ابراہیم بن ہاشم بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمنظہر بن کلاب بن مرہ بن کاعبہ بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن معدی کربہ بن عدنان بن آدم بن نوح علیہ السلام ذات یوم ، فلما تفرق من کان عندنا ، قال اسی یا ابا حمزہ ، من المحتوم الذی لا یتبدل لہ ، عند اللہ قیام قائمنا ، فمن شک فیما اقول ، اتقی اللہ وھو بہ کافر ولہ ، حاحدا۔ ثم قال و اوضح من ہذا وانور و ائین و ازھر لمن عداہ اللہ

واحسن اليه قول الله تعالى في محكم كتابه:
 ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر افي كتاب
 الله يوم خلق السموات والارض، منها اربعة
 حرم، ذلك الدين القيم فلا تظلموا فيهن
 انفسكم، ومعرفة الشهور المحرم وصفر وثبيع
 وما بعده والحرم منها وهي رحب وذوالقعدة و
 ذوالحجة والمحرم، لا يكون ديناً قيماً، لان
 اليهود والنهاري والمجوس وسائر الملل
 والناس جميعاً من المنافقين والمخالفين
 يعرفون هذه الشهور ويعدونها باسمائهم،
 وانما بهم الائمة القوامون بدين الله، والحرم
 منها امير المؤمنين علي بن ابي طالب الذي
 اشتق الله تعالى له اسماً من اسمه العلي كما
 اشتق لرسول الله صلى الله عليه وآله اسماً
 من اسمه المحمود وثلاثة من ولده اسمائهم
 علي بن الحسين وعلي بن موسى وعلي بن
 محمد، فصار لهذا الاسم المشتق من الله
 تعالٰى حرمة ۛ

”البحرہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن امام محمد باقر علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھا

ہوا تھا کہ لوگوں کے اٹھ جانے کے بعد آپ نے رخ انور میری طرف کیا اور آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

اے ابواحزہ! جب تک ہمارے قائم کا قیام موجود ہے۔ جو ذات الہی کے نزدیک حتمی اور یقینی ہے اس وقت تک اُس میں تبدیل نہیں کی جاسکتی اور جو اس امر الہی میں شک کرے گا تو وہ خداوند متعال سے کفر کی حالت میں ملاقات کرے گا پھر آپ نے قائم آل محمد ﷺ، مہدی علیہ السلام پر حق کے بارے میں گفتگو کی۔ اور آپ نے آخر میں ارشاد فرمایا:

اور اس سے بھی واضح تر، آشکار تر اور بین تر یہ ہے کہ خدا کسی کو ہدایت کرے، اور اس پر احسان و نیکی کیا اللہ تعالیٰ نے یہی سخن و کلام قرآن مجید میں کیا ہے کہ:

ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر افي كتاب الله يوم خلق

السموات والارض، منها اربعة حرم، ذلك الدين القيم فلا

تظلموا فيهن انفسكم۔

مہینوں کی شناخت و معرفت محرم، صفر، ربیع اور ان کے بعد، یا حرمت کے چار مہینوں رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم ہرگز ہرگز دینِ قیم نہیں ہو سکتے۔ یعنی دینِ قیم مہینوں سے استوار نہیں ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ مجوسی اور دوسرے مذاہب و مل بھی مہینوں کو مانتے ہیں، یہاں تک کے منافق اور اسلام دشمن لوگ بھی مہینوں کے قائل ہیں، اور سال کے بارہ مہینوں کے نام لیتے ہیں۔ پس شہور عبارت ہے دین کے پیشواؤں اور اماموں سے کہ جن کے وجود اقدس کے صدقہ سے یہ دین قائم ہے۔ اور وہ چہار نام محترم و مکرم یہ ہیں۔ علی بن ابی طالب علیہ السلام کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے نام علی پر آپ کا اسم مبارک رکھا، جس طرح اپنے نام محمود سے حضور سرور کائنات کا نام رکھا۔

اور علیؑ کے تین فرزندوں کے نام بھی علی ہیں ”علی بن حسین، علی بن موسیٰ اور علی بن محمد علیہم السلام“ پس ان ناموں کا احترام اس لئے ہے کہ ان ناموں کو اللہ تعالیٰ کے نام سے لیا گیا ہے۔“ علامہ طوسیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف غیبیہ کے صفحہ ۱۰۲ پر جابر جہمی سے روایت نقل کی ہے:

سالت ایا جعفر علیہ السلام عن تاویل قول الله عزوجل: ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا فى كتاب الله يوم خلق السموات والارض منها اربعة حرم ذلك الدين القيم، فلا تظلموا فيهن انفسكم“ قال فتنفس سيدى الصعداء ثم قال يا حاتم انا السنة فمبى جندى رسول الله صلى عليه وآله وشهورها اثنا عشر ثم رأته و الامير المؤمنين الى والى ابنى جعفر او ابنه موسى وابنه على وابنه محمد وابنه على والى ابنه الحسن والى ابنه محمد المهادى المهدي اثنا عشر اما حاجج الله فى خلقه وامنائوه على وحيه وعلمه، والاربعة الحرم الدين هم الدين القيم، اربعة منهم يخرجون باسم واحد على امير المؤمنين و ابى على بن الحسين و على بن موسى و على بن محمد، فالاقرار بهؤلاء هو الدين القيم،

فلا تظلموا فیہن انفسکم ای قولوبہم
جمیعاً تہتدوا۔

”جابر کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے کلام خدا ان عدۃ الشہور..... کی تاویل و تحلیل کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے آہ بلند کی اور آپ نے فرمایا کہ اے جابر! سال سے مراد میرے جدا جدا رسول اسلام علیہ السلام ہیں۔ کہ جو بارہ مہینے رکھتا ہے۔ اور وہ عبارت ہیں: امیر المؤمنین علی علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام، امام زین العابدین علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام اور ان کے بیٹے امام جعفر صادق علیہ السلام اور ان کے بیٹے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور ان کے بعد امام علی رضا علیہ السلام اور ان کے بیٹے محمد تقی علیہ السلام اور ان کے بیٹے علی نقی علیہ السلام اور ان کے بیٹے حسن عسکری علیہ السلام اور ان کے بیٹے محمد مہدی علیہ السلام۔ یہ بارہ امام علیہ السلام ہیں جو مخلوق پر رحمت خدا ہیں۔ اور اس کی وحی اور علم کے امین ہیں۔ اور وہ چار محترم امام جو خدا کا دین قیم ہیں۔ وہ ہیں ”امیر المؤمنین علیہ السلام، میرے والد بزرگوار علی بن الحسین، علی بن موسیٰ اور علی بن محمد، پس ان کا اقرار ہی تو دین قیم ہے۔ پس تم ان کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا، یعنی ان سب پر ایمان لانے سے ہی تم ہدایت و فلاح پاؤ گے۔“

آپ نے ان دور و آثار کو ملاحظہ فرمایا کہ پہلی روایت میں کلمہ تاویل کا ذکر نہیں ہوا، بلکہ امام علیہ السلام مستقیم آئمہ معنی کیا ہے، اور شہور کا معنی مہینے کی طور پر رد کیا ہے۔ لیکن دوسری روایت میں راوی نے امام علیہ السلام سے آئمہ کی تاویل و تفسیر طلب کی، تو امام علیہ السلام نے پیغمبر اکرم علیہ السلام کو سال اور آئمہ کو بارہ مہینوں سے تعبیر کیا ہے۔ پس آئمہ کی تاویل کے بعد کسی اور تاویل و تحلیل کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ جن لوگوں نے شہور کے معنی مہینے لیا ہے انہوں نے عمومی طور پر بغیر کسی دقت اور تردد کے یہ

معنی مراد لئے ہیں وگرنہ اس کے معنی علماء کے ہیں۔ جو آئمہ " اہل بیت علیہم السلام ہیں۔ اور جنہوں نے شہور کے معنی مہینے لئے ہیں۔ اس کی تحلیل لازمی ہے۔ کیونکہ اس آیت میں فصاحت و بلاغت اور ادبی ظرافت و چاشنی کو بیان کیا گیا ہے۔ لہذا ذوق سلیم ہی اس کو درک کر سکتا ہے۔

اے استاد محترم!

قرآن مجید میں بہت سی آیات پائی جاتی ہیں کہ جو آئمہ اطہار علیہم السلام کی ولایت و امامت اور عصمت و طہارت پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن کیا کیا جائے مسلمانوں کا کہ جو آسانی سے ان مطالب و مفادیم کو سمجھنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔ اگر ہمیں بعد میں فرصت کی گھڑیاں نصیب ہوئیں تو پھر ان آیات پر بحث کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ جن کو اہل سنت مفسرین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، اور ان کی تفسیر کرتے ہوئے علی علیہ السلام اور اولاد علی علیہم کی طہارت و عصمت کو بیان کیا ہے۔

ہم ذیل میں چند آیات کو سپردِ قسط اس کرتے ہیں کہ جو اہل بیت علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

وَيَطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا، إِنَّمَا نَطْعَمُكُمْ لَوْ جِهِدَ اللَّهُ لَأَنْزَلْنَا مِنْكُمْ جِزَاءً وَلَا شُكُورًا۔

[سورہ دھر، آیت ۷۶]

اتقوا الله وكونوا مع الصادقين۔

[سورہ توبہ، آیت ۱۱۹]

افمن كان على بينة من ربه ويتلوه شاهد منه۔

[سورہ ہود، آیت ۱۱۷]

آیه مباحله ”فمن حاجك فيه من بعد ما جئتك من العلم۔

[سوره آل عمران، آیه ۶۱]

ثم اورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا۔

[سوره فاطر، آیه ۳۲]

آیه ابلاغ ”يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك۔

[سوره مائده، آیه ۶۷]

في بيوت اذن الله ببيان ترفع۔

[سوره نور، آیه ۳۶]

اجعلتم سقاية الحاج۔

[سوره توبه، آیه ۱۹]

والسابقون السابقون اولئك المقربون۔

[سوره واقعه، آیه ۱۰]

آیه اكمال دين ”اليوم اكملت لكم دينكم۔

[سوره مائده، آیه ۳]

ومن الناس من بشرى نفسه انتغاء مرضات الله۔

[سوره بقره، آیه ۲۰۷]

اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم۔

[سوره نساء، آیه ۵۹]

طوبى لهم وحسن مآب۔

[سوره زعه، آیه ۲۸]

آیہ مودت ”قل لا أسألكم عليه اجراً الا المودة فى القربىٰ۔“

[سورہ شوریٰ، آیہ ۲۳]

هل يستوى هو مومن يا مر بالعدل وهو على صراط

مستقيم۔

[سورہ نحل، آیہ ۷۶]

سلام على آل يس۔

[سورہ صافات، آیہ ۱۳]

آیہ تطہیر ”انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل

البيت ويطهركم تطهيرا۔“

[سورہ احزاب، آیہ ۳۳]

يوم يحسدون الناس على ما آتا هم من فضله۔

[سورہ نساء، آیہ ۵۴]

والذى جانب الصدق وصادق به۔

[سورہ زمر، آیہ ۲۳]

آیہ ولایت ”انما وليكم الله ورسوله والذين آمنوا الذين

يقيمون الصلوة ويؤتون الزكاة وهم راكعون۔“

[سورہ مائدہ، آیہ ۵۵]

اگر آپ بحار الانوار کی جلد ۲۴ کی طرف رجوع کریں تو آپ کو ایک سو

صفحہ (۱۰۰) سے زیادہ پر مشتمل اسلام کی ایسی احادیث و روایات ملیں

گی، جو آیات قرآنی کی تفسیر آئمہ اطہار پر دلالت کرتی ہیں!

ہم نے ان آیات و اجمال کے طور پر ذکر کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی نقایس

اور احادیث کی کتب میں ان کی تفسیر کرتے ہوئے ان کے مصداق علیؑ اور اولاد علیؑ کو

مراد لیا ہے۔ اگر شیعہ تفاسیر کو دیکھیں تو ان میں کثرت سے ایسی آیات ہیں، جو علیؑ اور اولاد علیؑ کی ولایت و امامت اور عصمت و طہارت پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اب وقت نہیں کہ ان پر بحث کی جائے۔

میں بارگاہ الہی میں دست بدعا ہوں کہ پروردگار عالم ہمیں اور آپ کو اہل بیت عصمت و طہارت کے صحیح راستے پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہمیں اس صراط مستقیم پر قائم و دائم رکھے۔

و آخراً دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔



نتیجہ بحث

کوئی بھی نہس چاہتا تھا کہ بحث کسی نتیجہ پر منتج ہو، کیونکہ بحث امامت و ولایت کے موضوع پر ہو رہی تھی۔ یہ ایسی شیریں گفتگو ہے کہ اسے ایک پاک و پاکیزہ قلب ہی پا سکتا ہے۔ ہر وہ بندہ جو حقیقت کا متلاشی ہے وہ ہی اسے درک کر سکتا ہے۔ ہر وہ بندہ جس کے دل و جان میں محمدؐ و آل محمدؐ کی محبت و مودت موجزن ہو وہ ہی اس نعمت جلیلہ سے مستفیض ہو سکتا ہے۔ محمدؐ و آل محمدؐ کی امامت و ولایت ہر انسان کا مقدر نہیں ہے، کیونکہ محمدؐ و آل محمدؐ کی ولایت کا معاملہ سخت ہے۔ اس امتحان میں تو وہی شخص کامیاب ہوتا ہے کہ جس کے دل کا امتحان اللہ تعالیٰ لیتا ہے۔

اگر ہیڈ ماسٹر صاحب ہماری علمی و مذہبی بحث میں آڑے نہ آتے، اور ہماری یہ بحثیں جاری رہتیں، اور اگر مدرسہ کے دوسرے اساتذہ بھی شریک گفتگو رہتے اور بحث آزاد ماحول میں ہوتی، اور بحث میں وسیع القسَم کا مظاہرہ کیا جاتا..... تو ہماری بحث و مباحثہ کا اچھا نتیجہ منتج ہوتا۔ اور عمومی طور پر ہمارے مدرسہ میں اس کے اچھے اثرات مرتب ہوتے۔ اگر وہ استاد جستجوئے حق کرتے، اور حق و حقیقت کے متلاشی ہوتے، اور وسیع النظر فی کا ثبوت دیتے اور بحث میں کسی قسم کا تعصب و عناد نہ کرتے تو نتیجہ صد در صد اہل بیتؑ کی پیروی و اتباع میں نکلتا، اور وہ اہل بیتؑ کی حقانیت اور عصمت

وٹھارت کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتے، لیکن اس کے باوجود ان کی مذہب اہل بیٹ سے عقیدت ہو گئی تھی۔ اور انہوں نے مذہب جعفریہ کو رسمی تسلیم کیا، اور انہوں نے مجھ سے خود کہا کہ ہم نے ان دنوں میں اچھی معلومات حاصل کی ہیں۔ ہم جن مسائل کو پہلے باطل سمجھتے تھے، انہیں اب حقیقت تسلیم کرتے ہیں۔ اور جو ہمارے ذہنوں میں دوسرے مسائل اہل تشیع کے عنوان سے مبہم ہیں، وہ بھی بحث و تحیث کے ذریعہ دور ہو جائیں گے۔

بہر کیف ہماری رسمی بحث کو چند روز گزر گئے تھے کہ ایک طالب علم نے استاد

سے پوچھا:

استاد! آپ کا مذہب کون سا ہے؟

استاد نے جواب میں کہا: میں پہلے مالکی تھا۔ لیکن اب مسلمان ہوں، کسی خاص فرقہ کا پیروکار نہیں رہا ہوں۔ میں پانچوں مذاہب ”مالکی، حنبلی، شافعی، حنفی اور جعفری“ کو ہی مذاہب اسلامی کے عنوان سے یاد کرتا ہوں۔ لیکن شرعی احکام میں اس مذہب کی پیروی کرتا ہوں..... جس کو حق کے قریب سمجھتا ہوں، مجھے اس سلسلہ میں کسی قسم کا تعصب و عناد نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اگر کوئی مسئلہ مذہب جعفری کے نزدیک عقل و نقل کے مطابق ہے تو میں اس کی طرف فوراً بغیر کسی حیل و حجت کے رجوع کرتا ہوں۔ اور اسی طرح اگر کسی دوسرے مذہب کے نقطہ نظر سے صحیح ہو اور کتاب و سنت سے میل کھاتا ہو تو اس کی اطاعت کرتا ہوں۔

میں نے اس سوال و جواب سے اندازہ لگا لیا تھا کہ استاد میں روحانی اور معنوی تبدیلی آ چکی ہے۔ لیکن میری فکر اس سے کچھ آگے تھی، جس کے میں انتظار میں تھا۔ لیکن میرا احتمال یہ ہے کہ استاد شاید مدیہ العلم کے دروازے پر دستک دے چکے تھے۔ لیکن کسی مصلحت کا شکار ہو کر تقیہ کی زندگی گزار رہے تھے۔ جب کہ میں نے ان سے تقیہ

کے موضوع پر بحث نہ کی تھی..... لیکن وہ عملی زندگی میں تفیہ اختیار کر چکے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ابہامی مسائل پر بحث کی جائے تاکہ وہ ان کے لئے واضح ہو جائیں..... لیکن وقت گزر چکا تھا۔

البتہ میں نے کئی طور پر اختلافی مسائل پر بحث کرنا چھوڑ دیا تھا، بلکہ مختلف اوقات اور مناسبات سے بطور خلاصہ بحث کی۔ میں نے ان سے اونچے ماحول میں گفتگو کرنے کی کوشش کی، انتہا پسندی سے گریز کیا، یہاں تک کہ ہماری کلاس کا نصاب مکمل ہو گیا۔ اور ہمارا سال مکمل ہو گیا۔ اور استاد کی مدت اقامت بھی تمام ہو گئی تھی۔ انہوں نے مجھے خدا حافظ کہا۔ میں نے ان کو مرحوم علامہ شرف الدین قدس سرہ کی مشہور و معروف کتاب المراجعات تحفہ کے طور پر دی۔ اور ان سے خواہش ظاہر کی کہ استاد اس کتاب کا اول سے آخر تک مطالعہ کریں، آپ پر کئی نئی نئی چیزیں منکشف ہوں گی۔ اور وہ اعتراض جو آپ کے ذہن میں مذہب المل بیت کے بارے میں ہیں وہ دور ہو جائیں گے۔ اور آپ پر مذہب جعفریہ کی حقانیت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔ یہ اپنے شاگرد کی طرف سے تحفہ قبول فرمائیں، جو حجم میں کم ہے لیکن بہت بیش سے پُر ہے۔ آپ اسے وقت سے مطالعہ کریں، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے راستہ کھول دے گا۔ اور آپ کو حق و حقیقت کی طرف ہدایت درہنمائی فرمائے گا۔ اور صراط مستقیم پر گامزن کرے گا۔

اے قارئین کرام!

آپ بھی اس کتاب کا مطالعہ کریں اور اس سے استفادہ کریں، اگر آپ شیعہ بھی ہیں تو پھر بھی مطالعہ کرنے سے دریغ نہ کریں..... اس سے آپ کا عقیدہ محکم اور مضبوط ہو جائے گا۔

میری آپ سے دوسری درخواست یہ ہے کہ اگر یہ کتاب آپ کے پاس ہے، اور آپ نے اس سے استفادہ کیا ہے، اور اس کے مطالب کو یاد کیا ہے تو پھر اپنے دوست سے مباحثہ کریں، اگر آپ کا کوئی ایسا دوست ہے جو راہِ علی سے دور ہے تو اسے یہ کتاب تحفہ کے طور پر دیں۔ یا اسے یہ کتاب کچھ دیر کے لئے ادھار دے دیں، شاید وہ راہِ حق پر آجائے اور اس عروۃ الوافی اور جبل التین الہی سے استفادہ کریں۔

خدا کی قسم رہائی کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ اس خاندان سے تو سل اور تمسک رکھنا ہے۔ اور اہل بیت علیہم السلام کے خط سے انحراف اور دوری ضلالت اور گمراہی ہے۔ خدا یا ہمیں اس خطِ مستقیم سے استوار رکھ اور ہمیں مشنِ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر چلنے کی توفیق عطا فرما!

آمین رب العالمین!



.....